title - Hayat Javedani Maroof Ba Hayat Tasleem kamil.

Creator - Zameer Uddin Arsh.

Publisher - Urdu Press (Aligarh)

Date - 1911

Pages - 96

Subject - Tasleem Lucknavi, Sheikh Ameer ullah - Sawaneh-o-Tanqeed, Sawaneh-O-Tanqeed - Tasleem Lucknavi

حیاتِ جاودانی

معروف بحیاتِ تسلیم کامل

یعنی

ملک الشعرا چراغ خاندانِ مومن و نسیم جناب شیخ امیر اللہ مرحوم تسلیم لکھنوی کی مکمل اور باتصویر سوانح عمری جسکو بعد ترمیم و تصحیح حیاتِ تسلیم مطبوعہ لاہور جناب مولانا مولوی ضمیر الدین احمد صاحب عرش مقیم گیا تلمیذ جنابِ تسلیم نے تالیف فرمایا

اور

سید فضل الحسن حسرت موہانی بی۔ اے ایڈیٹر اردوئے معلّٰی نے

اپنے

اردو پریس علی گڑھ میں

چھاپا اور شایع کیا

قیمت فی جلد ۸ مع محصول ڈاک (کاتب محمد منظور الحق کولوی عفی عنہ)

تصانیفِ مولانا عرشؔ مدظلہ

۱۔ دیوان نظم نونگار۔ جو مجموعہ بہار ہے۔ معہ ضمیمہ متروکات رشک جسمیں جملہ اقسام کی نظمیں موجود ہیں۔ اور جسکی بابت میر خورشید علی نفیس خلف انیس۔ مرزا جعفر صاحب اوج خلف دبیر۔ علامہ حضرت شمشاد۔ حضرت امیر مینائی۔ داغ۔ ملک الشعرا تسلیم وغیرہ نے اپنی تقریظوں اور تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ کتاب بلحاظ زبان پورب کی بو باس سے پاک ہے۔ نازک خیالی۔ بلند پروازی درد انگیزی میں اپنی آپ نظیر۔ عرصہ سے مرتب ہو کر تیار ہے اور معتبر مطبع کو اسکا حق تصنیف دیا جا سکتا ہے۔

۲۔ بارگاہ سلطانی۔ آگرہ اور دہلی کی مفصل تاریخ۔ اسکی تحریر کسی حوالہ میں آبحیات سے کم نہیں بلکہ درد انگیزی میں بڑھی ہوئی ہے شاید اس آب و رنگ کی صحیح تاریخ اردو زبان میں اسوقت تک مطبوع نہیں ہوئی پھر زیادہ طول نہیں اسکا معاملہ بھی بہ شرط صدر طے ہو سکتا ہے صاحبان مطبع ان نادر کتابوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

المشتہر
سید صلاح الدین احمد خلف حضرت عرشؔ۔ گیا معرد فگنج

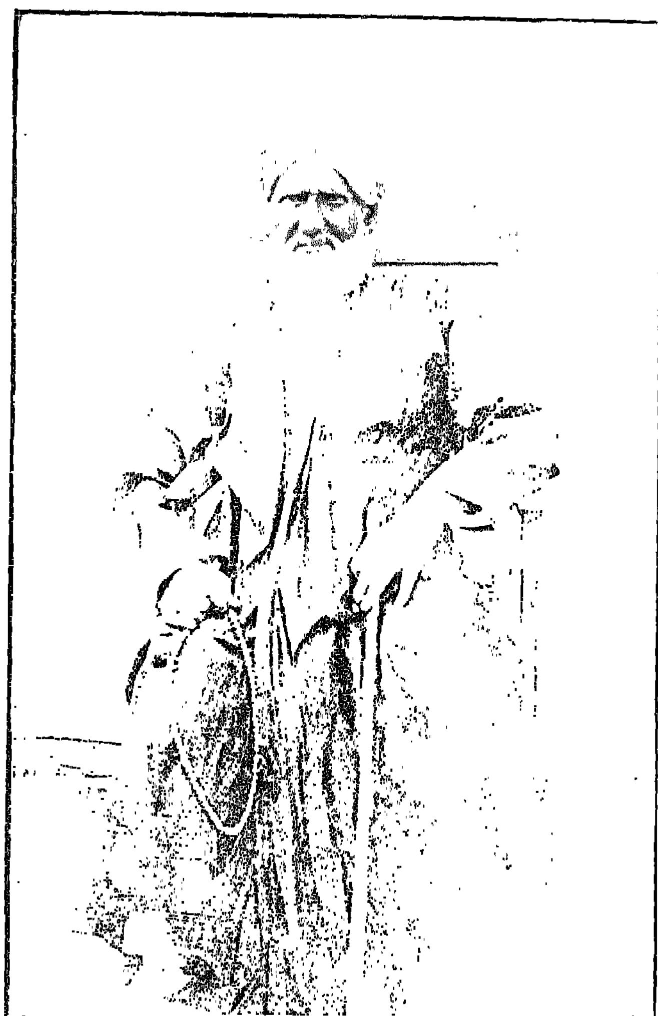
امیر مینائی مرحوم کی سوانح عمری داغ و امیر کے کلام کا موازنہ اور امیر مرحوم کے مکتوبات

جسکا تاریخی نام خطوط منشی امیر احمد ہے۔ مولوی محمد احسن اللہ خاں ثاقب نے تالیف فرما کے پہلے ایڈیشن کا حق طبع راقم کو عطا کیا ہے۔

کتاب کا حجم ۲۵۰ صفحوں سے زیادہ ہے اور شروع میں امیر مرحوم کی عکسی ہاف ٹون تصویر بھی لگائی گئی ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

اس مجموعے کی مولانا شبلی۔ مولانا حالی۔ مولوی سید علی حیدر صاحب طبا طبائی نظم لکھنوی۔ شاد عظیم آبادی امیر احمد صاحب علوی اور حسرت موہانی وغیرہ نے بہت کچھ تعریف کی ہے۔ کتاب کے آخر میں ان لوگوں کی تقریظیں بجائے خود قابل دید ہیں۔

ملنے کا پتہ
شوکت بلگرامی۔ بوساطت ایڈیٹر اردوئے معلیٰ علی گڑھ سٹی



یادگار مومن و نسیم منشي امیراللہ صاحب تسلیم لکھنوي (مرحوم)

Block by the courtesy of
The Editor, "Adeeb," Allahabad.

Indian Press, Allahabad.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

ہم تو کل خواب عدم میں شبِ ہجراں ہونگے — تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کرلے

وہ مبارک رات جس کی دلکش محفل کے فرش پر شاہ حاتم۔ درد۔ مومن و نسیم سے اساتذہ جلوہ افروز تھے گذر چکی ہے۔ صبح کے آثار ظاہر ہوگئے۔ لو وہ تارے بھی جو ابھی آنکھوں سے اس پرلطف نظارے کو دیکھ چکے ہیں ذرا دیر پہلے تک تھے اب وہ بھی ڈھونڈھنے پر کہیں نظر نہیں آتے۔ ہاں ایک جھلملانے والی شمع البتہ اس پرشکن فرش پر باقی ہے اور اس زار زار رونے والی کو نسیم کے فنا کرنے والے جھونکے گھیرے ہوئے ہیں شاید کوئی دم میں یہ بھی مرتے مٹتے پتنگوں کو روپیٹ کر رخصت ہوجائے۔ اس سناٹے کے وقت میں بزم کا ختم کر جانا بھی صدمۂ جانکاہ اور ماتم سے کم نہیں۔

ناظرین۔ صبح کا وقت سیرِ باغ کے لیے قدرتی طور پر موزوں ہے۔ آؤ ہم بھی چمنستانِ نظم کی سیر کریں۔ دیکھو تو سہی سرو کیوں عالم تحیر میں کھڑا ہے سنبل کو پیچ و تاب تو نرگس کو حیرت۔ گلوں کو چاک دامانی کا خبط۔ پتے ہر شجر کے کف افسوس مل رہے ہیں۔ ولایتی پھولوں سے تختۂ چمن بھرا پڑا ہے۔ مگر نہ کہیں نام کو بو ہے نہ باس۔ شبنم الگ رو رہی ہے۔ مرغانِ سحر کی صورت پر گھبراہٹ نمایاں۔ فوارے ہیں کہ رہ رہ کر اپنا سر زمین پر ٹپکتے ہیں۔ نسیم کا دامن شمیم روح پرور سے خالی۔ گلچیں غریب اس تشویش میں ایک طرف چپ کھڑا ہوا کہ ان پھولوں کو آخر چنکر کریں تو کیا کریں جبکہ ان رنگین ادا کے کام کا نہیں پاتے۔ غالب ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں — خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

اے فدایانِ رنگِ مومن و نسیم وہ جھلملانے والی شمع اور وہ گلچیں جسکو آپ ابھی اس سامنے والی محفل اور قریب والے باغ میں دیکھ چکے ہیں اس دورِ آخر میں استاد تسلیم کی ذات ہے۔ لاریب کہ دلی مرحوم کے مزارِ سخن کا چراغ اب آپ ہی کے دم سے روشن ہے۔ گو ذات سراپا صفات پر بوجہ سکونت لکھنؤ کو ناز ہے مگر شاعری کے وطن ہونے کا شرف مرحوم دلی ہی کو حاصل ہوا۔ ہائے دلی۔ بقول شخصے

خاک اڑتی ہے مزار غالب و مجروح[1] پر　　رنج کیا کیا ہے گئی دلی کی ویرانی مجھے

گو قبل تلمذ ہی زمانہ قیام بنارس و مرزا پور میں میرا یہ خیال تھا کہ استاد تسلیم کی سوانح عمری لکھوں مگر تکدرات اور فکر معیشت کی الجھنوں نے موقع نہیں دیا مگر شرف تلمذ حاصل ہونے کے بعد منشی محمد الدین فوق سابق اڈیٹر پنجہ فولاد لاہور کی تحریک سے ایک کتاب موسوم بہ حیات تسلیم مرتب کی اور حق تالیف بھی فوق صاحب کو ہبہ کر دیا۔ پھر بھی مقدر کی خوبی کہ وہ کتاب [illegible] اور تحریری غلطیوں سے بھری ہوئی مطبوع ہوئی اور کاتب نے اور بھی غارت کر ڈالا۔ جس کا اعتراف جائے اختتام کتاب پر فوق صاحب نے ازراہ انصاف خود کیا ہے۔ مگر پھر بھی اس لحاظ سے وہ کتاب واجب التعظیم ہو گئی کہ اس میں عمر صد سالہ کا پہلا فوٹو استاد تسلیم کا چھپا اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو اول اول انکے ذریعہ سے شرف زیارت حاصل ہوا۔ سوانح عمری کے لحاظ سے بھی وہ پہلی کتاب ہندوستان میں قرار پائی۔ اسکے پہلے کوئی بسیط تذکرہ استاد تسلیم کا کسی جگہ موجود نہ تھا۔ بالخصوص منشی سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ اور سید ابن علی صاحب اڈیٹر اعظم مراد آباد وغیرہ نے نہایت فاضلانہ طولانی ریویو اپنے پرچوں میں کر کے یہ ثابت کیا کہ یہ کتاب بلحاظ عبارت بھی آبحیات مولفہ شمس العلما آزاد دہلوی کا ایک حصہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر سنہ ۱۹۱۱ء میں دیوان سوم مصنفہ جناب تسلیم تین صاحب مطبع کی تحریک سے استاد تسلیم کا جدید فوٹو چھپکر شائع ہوا اور نقش صاحب نے یہ ثابت کیا کہ نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول ہے۔ حالانکہ یہ نقش انہی نقش کا خاکا ہے جسکو عمر بھر میں اول اول میری ضد سے

---

[1] میر مہدی مجروح۔ شاگرد غالب

استاد تسلیم نے مراد آباد جا کر تیار کرایا تھا۔ اس دیوان میں جناب شہزادہ صادق یادگار شہزادہ جہاں دہلوی مقیم رامپور نے باوجود منع کرنے جناب تسلیم کے کچھ عبارت بطور سوانح عمری لکھی ہے۔ اس منزل دشوار میں پیر ستہ ہی نقش قدم نے صادق صاحب کو خضر راہ کا کام دیا ہے مگر آپ نے ملکی قدر دانی اور مقبولیت کے خلاف ہزار سال بعد اس کا شکر یوں ادا فرمایا۔ کہ "اگرچہ منشی ضمیر الدین احمد صاحب عرش تلمیذ تسلیم نے ایک رسالہ حیات تسلیم نامی لکھا ہے لیکن طرز بیان اور نفس مطلب میں کچھ ایسی پیچیدگیاں اور غیر متعلق واقعات کچھ اس کثرت سے درج ہیں کہ جن کی وجہ سے رسالہ مذکور کو فن تاریخ میں سوانح عمری کے ذیل میں جگہ ملنا مشکل ہے اس لئے اس کا عدم وجود برابر ہے"

مرحبا۔ جزاک اللہ یہ اڈیٹر صاحب اودھ پنچ کے اس جملہ کا غالباً جواب ہے کہ حیات تسلیم لکھ کر عرش نے ملک پر یہ ثابت کر دیا کہ اگر کوئی مشاہیر کی حالت لکھے تو اس طرح لکھے وغیرہ

اب دیکھیے کہ حیات تسلیم پر صادق صاحب کیا گلفشانی کرتے ہیں۔

اگر مولانا حسرت اڈیٹر اردوئے معلیٰ نے حسب وعدہ اس کتاب کو بصحت تام چھپوا کر شائع کر دیا تو مجھے منصف مزاجوں سے بڑی توقع داد کی ہے اور شاید ناظرین اس سے زیادہ اچھی سوانح عمری جناب تسلیم کی کوئی اور نہ پائیں گے۔ اس کے ضمن میں اکثر مفید اور دلکش واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں جو ملکی نفع سے خالی نہیں۔ مجھے توقع ہے کہ جناب نواب مصطفےٰ علی خاں صاحب پرائیویٹ سکریٹری نواب صاحب بہادر رامپور بھی اس کو اپنے ملاحظہ کا شرف بخش کر سرکار رامپور میں پیش کر دیں گے۔ کہ اس وجہ سے خادم تسلیم کی عزت افزائی ہو۔ و باللہ التوفیق۔

کفش بردار تسلیم عرش مقیم گیا۔

"جس وقت کاتبِ ازل نے دفترِ کن کے اس صفحہ پر خامہ فرسائی شروع کی تھی جو شعرائے زبان اردو کے لیے مخصوص تھا تو شجرۂ شاہ حاتم کے آخر میں شیخ امیر اللہ تسلیم کا نام ہی آبِ زر سے رقم کر دیا تھا یہی باعث ہوا کہ آپ کی ذات منقطع خاندانِ امام الشعر حاتم ہوئی۔

نخلبند باغِ مضامین حکیم مومن خانصاحب جن کے گلہائے فکر کی بہار مرحوم اصغر علی خاں نسیم کی سلامت روی سے زیادہ نمایاں ہوئی ہر طرح قدم لینے کے لایق تھے جنکے یادگار آخر یعنی جناب تسلیم کی طبیعت کے آب و رنگ کا جواب آج چمنستانِ عالم میں چراغ لیکر بھی ڈھونڈ ہئے سے کہیں نظر نہیں آتا سچ تو یوں ہے۔ تسلیم ؎

ہوا کرتی ہے زینت غیب سے رنگیں اجونکی ۔۔۔ سلا شبنم د ہولا دیتی ہے منہ گلہائے خندا نکا

ولادت۔ نام۔ وطن۔ شرف خاندانی

سنہ ولادت آپ کو یاد نہیں۔ مگر فرماتے ہیں کہ اپنی والدہ سے سنا گیا کہ پیدائش میری اسی سال ہوئی جب غازی الدین حیدر کو اختیارات شاہی انگریزوں نے عطا کیے۔ غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر نے دس دس سال اور محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ نے پانچ پانچ سال شاہی کی بعد ازاں واجد علی شاہ کا زمانہ آیا اور ۵۷ء کے غدر نے اپنی ہیبت ناک صورت دکھلائی۔

نام آپ کا احمد حسین اور عرف امیر اللہ اور تخلص تسلیم ہے۔ امیر اللہ آپ کے والد کے پیر مولوی عماد اللہ صاحب کا عطیہ نام ہے اور اسی نام سے آپ کا نام عالم میں روشن ہے۔ ولادت آپ کی منگلسی ٹواح فیض آباد اودہ میں ہوئی۔ آپ کے وطن ہونیکا شرف بدیع البلاد عرف بدوسرا مضافاتِ دریا آباد کو حاصل ہے مصیبت و ترک وطن ہوئی۔ آپ کے والد کا اسم شریف مولوی عبد الصمد صاحب تھا وہ تعہدداروں کی بالضامنی کیا کرتے تھے اور حسن پور۔ بہارٹ پور دو گاؤں بھی رکھتے تھے محتاج ملازمت نہ تھے۔ آپ کے بڑے بھائی مولوی عبد اللطیف بھی کاروبار آبائی میں مصروف

تھے بقضائی وقت کہ ناظم دریاآباد کے گیارہ ہزار روپیہ کے ضمانتی بقایا کے عوض آپکے
والد اور بھائی بدرجہ آخر قید ہوئے۔ شدائد سفر سے تکلیف زندان کم نہ تھی آپ کے دادا
صاحب یعنی شیخ امان اللہ تاب نہ لاسکے جملہ اسباب تک فروخت کر ڈالا اور دونوں
مواضعات رام سنگھ قوم چندیلہ کے پاس گرو کر کے زر بقایا ادا کر دیا اور بیٹے پوتے
دونوں کو قید سے چھوڑا لیا۔ جہاں شاہی کر چکے تھے گدائی کس طرح کرتے۔ رعیت بنکر
موہنہ گاؤں میں رہنا گوارا نہوا۔ بادو سرا کو ترک کر کے چندے فیض آباد میں قیام کیا
مگر اس وقت کا فیض آباد اس لایق نہ تھا کہ وہاں کوئی صورت معاش نکالی جاتی آخر
لکھنؤ چلے آئے اور عہد محمد علی شاہ بادشاہ میں آپ نے حصول اعزاز کے لحاظ سے
قدیم بزرگوں کی وضع کے مطابق ملازمت سپہگری کے طرف رخ کیا۔ خدا مرحوم غالب
کو جوار رحمت میں جگہ دے وہ بھی تا دم مرگ اسی پر نازاں رہے فرماتے ہیں

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

اور عہدۂ او شداری تک پہنچے اس زمانے میں او شدار پانسو سپاہیوں کا افسر ہوتا تھا
تیس روپیہ ماہوار آپ کو ملا کرتے تھے کسی طرح سفید پوشی کے نباہ کی صورت تھی ورنہ
کھوئے ہوئے آرام کا ملنا تو خواب و خیال میں بھی ممکن نہ تھا۔ ہاں کچھ ہو نہ ہو قرب سلطانی
کا شرف ضرور حاصل تھا۔ اسی زمانہ کو یاد کر کے آج حضرت تسلیم یوں نالاں ہیں آہ ؎

ہو گئے تسلیم ہیں پامال ہر خورد و ذلیل کیا کریں ہم اعتبار خاندانی پر گھمنڈ

ایک جگہ اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

ناز اٹھاتا ہوں کس و ناکس کے اے تسلیم میں اب کہاں اگلا مزاج میرزایانہ مرا

حالت تعلیم اور مشق شاعری

آپ نے فارسی کی ساری ابتدائی و انتہائی کتابیں اپنے والد عبد الصمد اور مولوی
شہاب الدین مغفور شاگرد مرزا حق کرانی سے اور عربی کی کتابیں اپنے بڑے بھائی
مولوی عبد اللطیف سے کہ فاضل جلیل القدر مولانا مولوی محمد ولی اللہ صاحب

مغفور کے شاگرد تھے پر یہ وہ شاہ ولی اللہ صاحب نہیں ہیں جن کا ذکر حیات تسلیم مطبوعہ
لاہور میں غلطی سے کیا گیا ہے۔ وہ ایک درویش باکمال بڑے اچھے فقیر تھے۔ استاد تسلیم نے عقیدت
کی راہ سے ان کے وصال کی تاریخ درج کلیات کی ہے۔ تعلیم عربیہ کی بابت لکھتے ہیں (از
گرامی نامہ تسلیم) "جناب مولوی عبدالاحد صاحب شمشاد فرنگی محلی لکھنوی کے بزرگوں کے
فیض سے مجھے چار حرف آتے ہیں کیونکہ میرے والد اور بھائی ان کے بزرگوں کے کفش
بردار تھے اور میں ان لوگوں کا۔ حضرت شمشاد کو میں باوجود کبر سنی کے مخدوم و مکرم
جانتا ہوں۔"

استاد تسلیم کی دستگاہ عربی و فارسی نہایت قابلانہ اور فاضلانہ ہے۔ اور درس تدریس سے
بھی دوران ملازمت رامپور میں خاص تعلق رہا ہے۔ تحصیل علم کا شوق یہاں تک تھا کہ عربی کی
تکمیل رامپور میں مولوی سلامت اللہ صاحب سے کی جو بھی بزرگان قدیم کی اک شان تھے
فن خوشنویسی میں آپ منشی عبدالحی صاحب سندیلوی سے کہ آپ کے والد کے بڑے
دوست تھے تلمذ حاصل ہے۔ اسی عہد کی خوشنویسی کو آپ فرماتے ہیں کہ

اب کہاں تسلیم قدر خوشنویسی دہر میں — ہنر فن کے بکتے تھے اک اک سر بازار حرف

مطبع نولکشور کی ملازمت آپ کی بنیاد ہی تھی اور صرف طور پر کتابت کلیات امیر اللہ تسلیم آپ کی
شاہد ہے جس کو آپ کے دیرینہ مکرم منشی فدا علی عیش لکھنوی بانی [illegible] نے جو ابھی چند سال
قبل تک زندہ تھے تقریظ میں یوں ظاہر کیا ہے کہ "بہ تصحیح تمام و تنقیح مالاکلام بخط خاص
مصنف علام طبع ہو کر مطبوع طبائع عشاق انام و پسندیدہ کافہ خاص و عام ہوا"

فن شاعری کے جمیع رموز فن کی تکمیل نواب اصغر علی خاں نسیم دہلوی شاگرد مومن سے
کی جو اس زمانے میں دلی کو چھوڑ کر لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے بھائی منشی
عبداللطیف کے دوستوں میں تھے یہی وجہ ان سے اصلاح لینے کی بھی ہوئی۔
آپ کی شاعری کا سلسلہ شاہ حاتم تک اس طرح ملتا ہے۔ تسلیم شاگرد نسیم۔ نسیم شاگرد مومن
مومن شاگرد شاہ نصیر۔ نصیر شاگرد شاہ محمدی مائل۔ مائل شاگرد قیام الدین قائم۔ قائم
شاگرد مرزا رفیع سودا اور درد علیہما الرحمۃ۔ سودا شاگرد امام الشعرا شاہ حاتم۔ ذوق سخن

آپ کو صغیر سنی میں پلٹن والوں کی صحبت میں اتفاق ہوا کہ وہاں اکثر اپنے والد صاحب کے ہمراہ چلے جایا کرتے تھے۔ ابتدائی اشعار کا نمونہ جن دنوں آپ خود کہتے اور اس کا مزا اٹھاتے تھے غدر میں تلف ہوگیا البتہ یہ دو ایک شعر اب تک آپ کو یاد ہیں تسلیم

کاوش تقدیر ہو تو خاک بھی ملتی نہیں ۔۔۔ رہ گیا سر گشتۂ مجنوں گرد محمل دیکھ کر
اگر بیٹھا نہیں تھک کر کسی کے نخل ماتم پر ۔۔۔ عزا کی بو مجھے آتی ہے کیوں بال کبوتر سے

دنیا کی روش کے مطابق زمانۂ صغیر سنی تک آپ کی پرورش اپنے بزرگوں میں ہوئی ہوش سنبھالنے اور تعلیم پانے کا وقت لکھنؤ میں آیا ہے آپ کم عمری میں اپنے والد کے ہمراہ پلٹن میں آنے جانے کے سبب سے پہلے سپاہیوں میں نام زد بھی ہو گئے عمر لایق بجا آوری ملازمت نہ تھی مگر شاہی زمانہ تھا تنخواہ بغیر خدمت مل جایا کرتی تھی خداوند عالم نے دنیا کا ہر کام اپنے وقت پر مقرر کر دیا ہے۔ جب آپ کے باغ شباب کا سبزہ نسیم بہار قدرت سے ہرا ہوا آپ کے والد کے باغ عمر میں خزاں آ گئی ضعف بہت بڑھ گیا۔ خدمت کے لایق نہ رہے یہاں تک کہ بادشاہ کے حضور میں اس مضمون کی عرضی گذرانی کہ خانہ زاد بہ سبب پیرانہ سالی و علالت قابل بجا آوری خدمت نہ رہا۔ امیدوار ہوں کہ میرا لڑکا مسمی محمد امیر اللہ کہ نوجوان اور پڑھا لکھا ہے میری نوکری پر بعوضی مقرر کیا جائے محمد علی شاہ بادشاہ نے دست خاص سے یہ حکم لکھا کہ (موافق سوال سائل عمل آرند) چنانچہ اب دفتر سلطانی میں آپکا نام بعہدۂ جمعداری درج کر دیا گیا اور وہی بتیس روپیہ ماہوار جو آپ کے والد کو ملا کرتے تھے اب آپ کو ملنے لگے عہد قدیم کی حق شناسی سے ظاہر کہ زمانہ موجودہ میں یہ باتیں ہندوستانی ریاستوں میں بھی گویا نہ رہیں۔ نیا دربار اور نئے درباری نظر آتے ہیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب لکھنؤ میں مستقل طور پر رہ کر نسیم جنت مقیم سے تکمیل فن کی اور ہر وقت بادۂ سخن کا جام منہ سے لگا رہا قریب قریب یہی وہ وقت تھا جس کی بابت لکھتے ہیں (گرامی نامۂ تسلیم) محبی مشفقی زاد عنایتکم بعد سلام دعا کے مظہر مدعا ہوں جس طرح خیریت ہے آپ کی تندرستی ایزد تعالے سے چاہتا ہوں۔ عنایت نامہ آیا خوش ہوا۔ اگلے شعرا کی حالت کیا لکھوں میں نے ناسخ و آتش

کو دیکھا ہی مگر اس وقت میں کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی لیاقت نہیں رکھتا تھا ٹکسال جو محلہ چوک میں ہے ناسخ وہیں رہتے تھے صبح و شام پھاٹک پر آ بیٹھتے تھے چھوٹے بچوں سے ہنسی دل لگی کر کے کچھ سودا کھانے پینے کا دلوا کر کمرے میں جا بیٹھتے تھے۔ پھر شاگردوں سے یا اور احباب سے صحبت رکھتے تھے۔ اور آتش مرحوم کو بھی بہت دیکھا جس محلہ میں رہتا تھا اسی محلہ میں وہ تھے۔ اُن کے بیٹے جوشش سے بھی ملاقات تھی کیا کہ وہ کیا زمانا تھا۔ بحر۔ رشک۔ اسیر۔ صبا۔ سحر۔ وزیر۔ قبول۔ نوح۔ نشتر۔ وغیرہ سے بھی ملاقات تھی مگر نہ ایسی کہ ان کے حالات کمالات سے بہرہ مند ہوتا۔ ان کے بعد منیر۔ جلال اوج جان صاحب۔ امیر۔ داغ۔ ہندی وغیرہ ان صاحبوں سے رامپور کی ملازمت کی وجہ سے ملاقات تھی۔ اکثر آنا جانا تھا۔ مگر کوئی حال کسی طرح کا نہیں معلوم ہوا اور یہ سب ہی مر گئے ان کے ملنے والوں میں حضرت جلال یا داغ۔ زندہ ہیں یا اُن کا کفش بردار یہ فقیر حقیر میرے عقیدے میں یہ سب اپنے فن میں بڑے کامل تھے اور نہایت مشاق انکا ہم پا اس زمانہ میں کسی کو نہیں پاتا۔ نکات فن اور تحقیق میں نہایت بہرہ یاب تھے اور زیادہ کیا لکھو مولانا ظہیر احسن شوق نیموی داغ دے گئے۔ ان کے انتقال کو سنکر بڑا صدمہ ہوا۔ مگر سوائے صبر و دعائے خیر کیا چارہ ہے۔ ہمرہاں رفتہ و ما نیز براہ سفریم۔ رقیمہ نیاز محمد امیر اللہ تسلیم از رامپور ۲۲ شوال ۱۳۲۲ھ۔ ہائے غالب ؎

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیمکش کو ۔۔۔ یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

جس کی آنکھوں کے سامنے ایسی ایسی بولتی ہوئی تصویریں غائب ہو گئی ہوں اسکے دل و دماغ کو کیا پوچھتے ہو۔ آفریں اس ذوق پر کہ اب تک کچھ نہ کچھ فرما ہی لیتے ہیں مگر کہاں وہ صحبتیں اور کہاں کمیٹیوں کے جلسے خود فرماتے ہیں ؎

مسخرا پن ہے مآل شاعری تسلیم اب ۔۔۔ یہ دعا مانگو گا ے اے خدا اس فن کی آگ

تو ہی بتلا کیا کریں تسلیم ایسی بزم میں ۔۔۔ جس میں سب استاد ہوں و نکتہ داں کوئی نہ ہو

غرض اپنے والد کے زمانہ پیرانہ سالی سے ان کے انتقال تک آپ برابر فرائض دوستداری ادا کرتے رہے۔ اتفاق وقت کہ ڈاک کی عدم حفاظت کے باعث

سرکار انگریزی کیطرف سے شکایتیں ہوئیں اور عتاب سلطانی کے سبب سے وہ کمپنی ہی بطرف کر دی گئی جسمیں آپ اوشدار کھے - یہانتک کہ سب کے ساتھ آپ بھی بیکار ہو گئے مگر اس بیکاری میں تکمیل فن کا خیال رہا یہانتک کہ درباری شعرا میں داخل ہونے کی صلاحیت ہو گئی چنانچہ ایک روز بہمراہی اپنے جلیل القدر دوست کپتان مقبول الدولہ احسان الملک مرزا مہدی علی خاں قبول شاگرد رشید امام بخش ناسخ نور اللہ مرقدہ مفصلہ ذیل عرضی اور قصیدہ کے ساتھ واجد علی شاہ کے حضور میں تشریف لائے - اور اپنے کمال سخن اور قادر الکلامی کا ثبوت پہونچایا - زبان اردو تو خاص آپ کی زبان ہی ہے فارسی نظم کی پرزور مضامین بھی لائق ملاحظہ ہیں

عرضداشت بحضرت ابوالمنصور ناصر الدین سکندر جاہ قیصر زمان محمد واجد علی شاہ خلد اللہ ملکہ

بعرض شہنشاہ عالی مکاں
فلک آستان و ملک پاسباں

ہنرمند و ہم قدردان ہنر
چو خاقان و قیصر بہ گیتی سمر

جگر خستہ تسلیم مشہور بہ سر
ز دل میکشد نالہ از غم اثر

بالطف و کرم ساختہ ہوشیار
بافسانہ من دمے گوش دار

کہ از دست گردون بجان آمدم
ز بیچارگی در فغان آمدم

چہ گویم چہ از بخت بر دل گذشت
کہ آساں نفس ہم بمشکل گذشت

بعہدے کہ دولت رہین تو بود
جہاں زیر نقش نگین تو بود

ملک خطبہات را بصد عز و شاں
ہمی خواند بر منبر آسماں

بہمراہ مہدی علیخان قبول
مرا بود اعزاز خدمت حصول

ہم از خوشنویسی ہم از شاعری
قوی داشتم بخت چاکری

نفس مثل نکہت بر آورد مے
شگفتی نہ بے خندہ چون گل لبے

بجامم بعیش و طرب گذشت
بآرام دل روز و شب میگذشت

کہ ناگاہ این چرخ نامہرباں
دگرگونہ شد در پئے امتحاں

حسد برد بر عیش آرام من
نمک ریخت در بادۂ جام من

بقصد اطلاع کرد بر ملک شال
قضا و اختر لکھنؤ رو بال

نہ آں بادہ ماند و نہ آں جام ماند
مگر شکوہ بخت ناکام ماند

چو ارباب جوہر چہ ارباب جاہ
بیکبار گشتند جملہ تباہ

بسے جادہ پیمائے غربت شدند
بسے زاویہ گیر تربت شدند

من از تیرہ بختی چو دود فغاں
نہ در خاک رفتم نہ بر آسماں

چو نقش قدم خاک بر سر مدام
ز بیچارگی میکنم صبح و شام

فلک از پئے ضعف طاقت تواں
ہنوز است با من ستیزہ بجاں

کنوں بہر آں جفا میرود
کہ از باد بر نقش پا میرود

بسے کردم اندیشۂ جان خود
[illegible] شہر بیروں شدم

بدرگاہ آں شاہ گردون وقار
کنم انتقام از غم روزگار

بجا آلم استادہ مانی کنم
بہ پیرانہ سر نوجوانی کنم

بعالم چو غنچہ بخود از نشاط
بافسردگی ہم کنم ارتباط

نویسم قصیدہ بصد عز و جاہ
بخوانم حضور شہ جم کلاہ

بہ نسرین گر تاب سنبل دہم
بگوش گل آواز بلبل دہم

ولیکن چہ سازم کہ بیچارگی
رسیدست اکنون بآں مایگی

ز رشک ہمشکل گوہر نماند
بزردی رخم شور زر نماند

آمین است بس در عیان نہان — کہ دارم دعائے تو ورد زبان
عدو بہ تو بادا بگردش مدام — محب تو ہر دو بآرام کام
بود پائے پرکار تا در سفر — بود نقطہ تا بہر مرکز مقر
نگونسار سرکار عالیجناب — جگر خستہ تسلیم خانہ خراب

قصیدہ

کسطرح نہ دل تڑپے رگ جاں کی برابر — ہر دم ہے دم خنجر براں کی برابر
ناکامی قسمت سے ہی مجھکو نہ گردوں — ہر روز تمنا شب ہجراں کی برابر
تدبیر سحر شام کو ہوتی ہے دگرگوں — کیا کیا ہیں کرم گردش دورانکی برابر
نادم میری تدبیر ہے تقدیر سے ایسی — جسطرح پشیماں ہو پشیماں کے برابر
روتا ہوں یہ قسمت کو کہ رہتا ہے ہمیشہ — گرداب ہم گریہ گریباں کی برابر
آرام میسر نہیں دم بھر تہہ گردوں — چکر ہے مجھے گردش دورانکی برابر
اللہ رے سرگشتہ نصیبی کہ شب و روز — برباد ہوں میں گرد بیاباں کی برابر
کیا کیا نہیں خوں گشتہ تمنائیں جگر میں — سینہ ہے میرا گنج شہیدانکی برابر
آنسو بھی خفا ہیں جو خفا بخت ہے مجھسے — رک جاتے ہیں آکر سر مژگانکی برابر
دشوار ہے جنبش صفت نقش کف پا — گھر ضعف سے ہے گوشۂ زندانکی برابر
کچھ منہ کو چھپائے ہوئے جاتی ہے عدم کو — امید میری عمر گریزاں کی برابر
عالم پہ مرے داغ ہو گلزار میں جا کر — ٹھہروں جو کبھی میں گل خندانکی برابر
ہر شاخ نصیبوں سے میرے تیر کی جا ہے — ہر غنچۂ گل ہو مجھے پیکان کی برابر
ہلتی نہیں دم بھر دل مایوس سے خنجر — حسرت ہے مجھے داغ عزیزان کی برابر
دو دو جگری سے نظر آتا ہی جہاں تار — ہے صبح وطن شام غریبانکی برابر
پروانہ نہیں سوز جگر کی نہ عدو کو — جلتا ہوں چراغ شب حرماں کی برابر
ناقدری دوراں سے نہیں بات کے قابل — ہر چند کہ ہوں ناظم شعرا انکی برابر
لیکن مجھے با ایں ہمہ ہر دم ہے تسکیں — ہر مشکل دشوار ہے آساں کی برابر
کہتا ہوں کوئی غم نہیں حامی ہو اگر — ہم مرتبہ شوکت میں سلیماں کی برابر
واجد علی آفاق میں کامل صفت ماہ — ہم شکل جہاں مہر درخشاں کی برابر

تا حشر مرا حوصلہ مجھسے رہے ہیزار — دارا کو نہ سمجھوں کبھی در بانکے برابر
قوت وہ عاجز ہوا گر اوسکی حمایت — روباہ بھی ہو شیر نیستانکے برابر
دانش میں فراست میں فلاطون و بقراط — دونوں ہیں یہاں طفل دبستانکے برابر
کسطرح بیاں ہو کف ہمت کا فسانہ — عالم میں گہر ریز ہے نیسانکے برابر
افلاس کا لیتا نہیں دنیا میں کوئی نام — مفلس ہے غنی قیصر و خاقانکے برابر
احسان و کرم میں کرم و فیض سے اوسکے — ہر مور کو دعوی ہے سلیمانکے برابر
حال غربا پر یہ ترحم ہے کہ جیسے — بیکس ہے کوئی رحمت یزدانکے برابر
دل شاد رعایا ہے یہانتک کہ شب و روز — رہتی ہیں دعائیں لب خندانکے برابر
کیا خوف سیاست ہے کہ بجلی بھی تڑپکر — چمکی نہ کبھی خرمن دہقاں کی برابر
عالم میں بہادر کبھی ایسا نہیں آیا — دیکھے ہیں ورق دفتر دورانکے برابر
قوت میں شجاعت میں فن تیغزنی میں — رستم سے فزوں سام و نریمانکے برابر
پہنچے صف اعدا میں جو ہنگام وغا تیغ — دریا ہو رواں خونکا طوفاں کی برابر
حاسد کو اگر چاہے گرفتار جراحت — تن پر سر مو ہو سر پیکاں کی برابر
کیا رتبہ و شوکت ہے کہ باایں ہمہ عظمت — فغفور نہ بیٹھے کبھی درباں کی برابر
کیا خاک لکھوں قصر معلے کی میں تعریف — رفعت میں ہر اک ذرہ ہے کیوانکے برابر
جبریل از ل سے اوڑہے روز ابد تک — پہونچے نہ کبھی قبہ ایوانکے برابر
ہر نقش برنگ گل تر تازہ و رنگیں — ہر صحن مکاں گلشن رضوانکے برابر
کیونکر نہ مجھے فخر ہو تقدیر پر اپنی — ثابت ہے کہ میں آج ہوں حسانکے برابر
گر وہ سکھے شب روز دل و جان و جگر سے — وقاف شہ قبلہ و ایماں کی برابر
میرا ہی وہ رتبہ ہے کہ پڑھتا ہوں قصیدہ — سلطان اولی الامر جہانکے برابر
کیا حسن خدا داد ہے دیکھے جو تعجب سے — کلمہ پڑھے ہر گبر مسلمانکے برابر
جب دیکھے پیشانی و رخسار ہیں روشن — ذرات مہ و خورشید درخشاں کی برابر
انسان و پری کیوں نکریں حلقہ بگوشی — فرمان ہے توقیع سلیمانکے برابر

خطبہ میں پڑھا جائے اگر نام نہ اوسکا ٭ اسلام کبھی ہو کیش کشیشانکے برابر

تسلیم کہاں تک ہوں مدح سرائی ٭ مانا کہ رواں طبع ہے عمانکے برابر

ہنگام دعا ہاتھ سے دیتا نہیں اچھا ٭ کہہ جائے ورد حضرت یزدانکے برابر

جب تک مہ و خورشید الٰہی رہیں سیّار ٭ ہے نقش قدم عالم امکاں کے برابر

جب تک جگر شمع فروزاں ہے الٰہی ٭ داغ دل پروانہ سوزاں کے برابر

احباب شہنشاہ کی خاطر ہو جہاں میں ٭ ہر شام رخ صبح درخشاں کے برابر

حاسد کو کہاں ہے فلک باد و دشمن آرام ٭ ہر صبح سیہ شام غریباں کے برابر

دن بھر رہے پروانے کے مانند پریشاں
راتوں کو جلے شمع شبستاں کے برابر

شاہ جم مرتبہ نے جو خود ماہر فن اور قدر دان اہل کمال تھا دست خاص سے عرضی پر فوراً یہ حکم لکھا اور بہت کچھ قدر دانی اور عزت افزائی کی۔

حکم

شنیدہ اے خوشنویس و اے خوشگو ٭ ہر دو فن مے کنی و ہر دو نکو ٭٭
اسم تو مندرج بہ دفتر شد ٭ بست و دہ روپیہ مقرر شد ٭٭

استاد تسلیم کی خوش قسمتی سے عمر بھر میں اونکو یہی ایک موقع ایسا ہاتھ آیا کہ بغیر خدمت تیس روپیہ ماہوار پاکر شرفیاب بارگاہ سلطانی رہے کار متعلقہ کچھ نہ تھا یہاں تک کہ برائے تنخواہ کو بھی خزانہ تک جانا نہ پڑتا تھا آپ کے بھائی منشی عبداللطیف کہ ملازم منشی خانہ شاہی تھے لے لیا کرتے تھے۔ مگر جب غدر کی بدولت ایک صورت خواب و خیال میں نظر آنے لگی تو مصلحتاً بادشاہ نے آپکو اپنے قدیم جگہ داروغگی پر پھر معمور کر دیا اور تا انتزاع سلطنت اسی ذریعہ سے آپ کو وہی تیس جو توشہ روزانہ تھا ملتے رہے آخر جب فتنہ غدر کا اثر بیٹھ گیا اور آپ نے بھی گردش تقدیر کے خوف سے یہ سوچ لیا کہ

گر یہی گردش رہی تسلیم اپنے پاؤں کو ٭ اور بھی دو چار دن کا ہم ہیں مہمان لکھنؤ

وہ ہرا بھرا باغ جہاں گل سبزہ بیگانہ تک نہ تھا نذر خزاں ہو کر آج اپنے سر پر بگولوں کی طرح خاک اڑا رہا ہے۔ وہ عشرت سرائے سلطانی کی اونچی دیواریں عالم تحیر میں خاموش کھڑی

ہیں جس زمین پر قاقم و سنجاب کے فرش تھے وہ اب بجز بستر خاک کچھ نہیں رکھتی۔ نہ کہیں جھاڑ ہیں نہ فانوس البتہ شکستہ حال سینہ چاک چھتوں کے شگاف سے ماہتاب کی شعاعوں کا نور چھن چھن کر آرہا ہے جسپر شمع کی جھلملانے والی لو کا دہوکا ہوتا ہے۔ بیگمات اور مخدرات عصمت سمات کی جلوہ گاہیں مکڑی کے جالوں اور ابابیلوں سے بھری پڑی ہیں۔ اہل کمال بھی شب قوت کے محتاج ہوکر بجہت تلاش لکھنؤ کو ترک کرکے ادہر ادہر کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ نہ مجمع شعراء ہے نہ صحبت فضلاء جس کشتی پر سارے منتخب روزگار سوار تھے شکستہ ہوکر دریا میں پڑی ہے اوسکا ناخدا آپ گرداب بلا میں پھنسا ہوا ہے یا یوں کہو کہ وہ دولہا جسکے دم سے یہ ساری برات تھی۔ آج مسند زریں چھوڑکر عروس گور کے پہلو میں خواب عدم میں محو پڑا ہے اوسکو اپنی آپ خبر نہیں۔ نہ اس تاریکی میں کسی چھوٹے آنسو بہانے والی شمع تک کا سہارا ہے۔ معاذ اللہ یہ تیرگی روز سیاہ اور یہ گور کی اندھیری رات۔ لیجیے غدر کے ہاتھوں لکھنؤ تباہ ہوگیا بادشاہ اودھ کو قید فرنگ حاصل ہوئی۔ ہر طرف سناٹا ہے استاد تسلیم کے متعلقین نے بھی فیض آباد کی طرف رخ کیا۔ اور یہ خود بہمراہی یعقوب خاں صاحب رامپوری کیدان حیدری پلٹن۔ تلاش معاش میں رامپور چلے آئے۔ (گو رامپور اسوقت وہ رامپور نہ تہا جو تھوڑے عرصہ کے بعد ہوگیا) صرف آپکے بڑے بہائی منشی عبد اللطیف صاحب لکھنؤ میں رہ گئے۔ اس عہد میں رامپور آپ کے لیئے ایک مقام غیر مانوس تہا۔ نہ کوئی قدر دان۔ نہ ہمدم۔ نہ غمخوار۔ یہانتک کہ شدید سے فروختگی اثاثہ سے گذارا کیا اور زمانہ خدا کو اپنا گہر جانا کچھ دن بعد منشی نہال الدین کے یہاں تعلیم اطفال کے لیئے صرف تین روپیہ ماہوار کے نوکر ہوگئے۔ وہ بس گیارہ مہینے تک یوں بسر ہوئی ع۔ اے کمال افسوس ہے تجہہ پر کمال افسوس ہے آخرکار روزمرہ کی تکلیف اور اخراجات سے تنگ آکر مطابق طریقہ شعراء سلف چند شعر بطور قصیدہ لکھکر نواب کلب علی خاں بہادر کے حضور میں آئے جو اوس زمانہ میں ولی عہد ریاست تھے۔ غرض یہی ذریعہ آمد و رفت کا سرکار رامپور میں ہوگیا۔ کچھ مدت کے بعد امن کی صورت پیدا ہوئی زندہ دلوں کے بھی جان میں جان آئی۔ شعر و شاعری کا تذکرہ چھڑا۔ مشاعرے ہونے لگے۔ اور یہہ شغل آپکے بھی رنج و غم غلط کرنے کا ذریعہ ہوگیا یہانتک کہ اسی وجہ سے

صاحبزادہ بخشن خاں صاحب بہادر کے یہاں قیام کو جگہ مل گئی۔ زمانہ قیام مسجد کی
بولتی ہوئی تصویر کیا اچھی کھینچی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تسلیم

شکر ہے کیا خوب کٹتے ہیں میرے لیل و نہار ∴ رنج و راحت دونوں ہیں اس شہر میں مجکو حصول
دن کو بے آتش ہی مطبخ سو رہے ٹکڑے رات کو ∴ گاہ مہمان خدا ہوں گاہ مہمان رسول

رامپور کے اسی سفر اول کے موقع پر آپ اپنے ہموطن فدا حسین کے اصرار سے اوس
مشاعرہ میں شریک ہوئے جس کے صدر مقام پر شہزادہ مرزا رحیم الدین صاحب حیا دہلوی کہ
نواب یوسف علیخاں بہادر مغفور کے ہمنشین تھے نزل آئے آپ کو اس موقع پر فدا حسین
صاحب نے شعرا سے ملایا اور ظاہر کیا کہ یہ شاگرد نسیم ہیں۔ غم رہتے ہیں گر کرم کرتے نہیں
طرح تھی آپ نے جوں ہی یہ مطلع پڑھا۔ یادگار ہستی موہوم ہم رکھتے نہیں × صورت عمر
رواں نقش قدم رکھتے نہیں۔ شہزادہ صاحب نے بے اختیار داد سخن دیکر یہ پوچھا کہ
حضرت آپ کس کے شاگرد ہیں جب یہ علم ہوا کہ نسیم شاگرد مومن کے تو صاف کہدیا کہ جبھی
تو میں حیران تھا کہ لکھنو والے اس رنگ کو کیا جانیں وہاں تو انگیا کرتی کا مضمون خوب کہتے
ہیں۔ ایک شعر آپ کا اسی زمین میں اور ہے۔ شعر

ایک صورت پر بسر کرتے ہیں زیر آسماں ∴ صورت ماہ دو ہفتہ بیش و کم رکھتے نہیں

شہزادہ صاحب اور بھی آپ کے کلام پر شیفتہ اور فریفتہ ہوئے اور پیچوان تک چھوڑ دیا
صادق صاحب دہلوی بھی کہ شہزادہ صاحب کی یادگار ہیں اس واقعہ کی تصدیق کرتے
ہیں۔ شہزادہ حیا غالباً غالب مرحوم کے عہد کے شعرا میں تھے کیونکہ نواب یوسف علیخاں
صاحب کی حیات تک غالب مرحوم بھی برابر رامپور میں تشریف لاتے رہے اور بوجہ
اصلاح نواب صاحب مذکور الصدر کے بہت ممتاز تھے اور بوجہ شہزادگی یوں بھی بہت
صاحب توقیر تھے استاد تسلیم فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ ہمنے نہیں دیکھا نہ میرے وقت میں
غالب رامپور آئے۔

بعد چندی جب رستہ صاف ہو گیا تو آپ ولیعہد بہادر سے ملے اور کہا کہ سرکار
انگریزی نے بخوبی انتظام کر لیا۔ کوئی خطرۂ راہ نہیں رہا۔ اہل و عیال کی خبر نہیں کیا

ہوئے کدھر گئے آنکھیں دیکھنے کو ترستی ہیں اور عزم وطن رکھتا ہوں کاہش جونپوری

قفس میں جو تڑپا چمن یاد آیا ؛ مصیبت زدوں کو وطن یاد آیا

غرض ولی عہد نے اس صدمہ بے وطنی کو سنکر بطور رخصتانہ سو روپیہ زادراہ دیکر رخصت کیا اسی عرصہ میں آپ کے والد کے شاگرد بخشی لوچن لعل صاحب لکھنوی نے بطور ہنڈوی سو روپیہ بھیجدئے آپ فرخ آباد کانپور ہوتے ہوئے اپنے بڑے بھائی منشی عبداللطیف کے پاس لکھنؤ پہونچے ۔ چند دن وہاں قیام رہا بھائی نے از رہ الطاف و محبت کئی جوڑے کپڑے بنوادئے اور پچاس روپیہ زادراہ دیکر فیض آباد وطن نوجوان والدہ تھیں بھیجدیا ۔ فرماتے ہیں کہ جب والدہ کے پاس پہونچا بہت خوش ہوئیں اور یہہ جانا کہ مردہ قبر سے اٹھ کر آیا ہے چنانچہ مطابق رسومات ہند و شفقت مادری یہہ سارا روپیہ چند ہی روز میں بزرگوں کی نیاز ۔ صدقہ ۔ رت جگا ۔ شہیدوں کے مزار پر چادر وغیرہ چڑھانے میں صرف کر ڈالا گیا ۔

نوٹ ۔ خدا مغفرت کرے اس مطلع نے مجھے مولوی اولاد علی مرحوم کاہش جونپوری شاگرد مصحفی کو یاد دلوادیا جو عرصہ دراز ہوا رحلت کرکے ملک الشعراء ہو چکے ہیں ۔ یہ بڑے قادر الکلام اور ماہر فن تھے مصحفی نے بھی اپنے زمرہ تلامذہ میں انکا ذکر کیا ہے اب انکی ایک آخری یادگار حافظ ارادت علی صاحب گیا میں باقی ہیں انہیں طبع سلیم اپنے بزرگ سے ملی ہے کچھ شعر بھی کہتے تھے اگر ماہ میں کچھ بشکل مسودہ کاہش مرحوم کا میرے پاس بغرض درستی لائے تھے جسمیں یہ مطلع بہت خوب نظر آیا ۔ شیشہ کیطرح یار کا ایسا ہے بدن صاف ؛ سینے سے نظر آتی ہے چوٹی کی شکن صاف افسوس کہ انکا کلام صحیح طور پر کہیں کچھ باقی نہیں ہے مرثیہ و سلام میں بھی انیس و دبیر کے ہمعصر تھے ۔ غزل میں آتش کے ہمپایہ رہے ۔ صرف پورب کی سکونت مانع مقبولیت ہوئی ۔ سہ ٥ ء کے پورب میں تنہا تھے مستند ۔ غرض ایسی شاعری بیکار ہو گیا ہیں کوئی صاحب فن انکا دیکھنے والا باقی نہیں انکے شاگرد کینی کے ایک شاگرد منشی درگا پرشاد ستم رہ گئے تھے دو تین برس ہوئے وہ بھی چل بسے کلام غیر مطبوعہ رہ گیا ۔ میرے بڑے عنایت فرما تھے ۔ کاہش مرحوم کا ایک نوحہ مقبول و مشہور و یادگار مصارع ہے مرع ۔ لالہ ساں سب خون میں ڈوبے گلعذار فاطمہ ۔ ایک شعر کچھ عجب عالم رکھتا ہے ۔

کس مصیبت میں تھی اوس دم مومنو جان نبی ؛ شمر تو سینہ پہ تھا اور انتظار فاطمہ

عزیز و قریب اطراف سے دیکھنے کو آنے لگے۔ غرض تقریباً دو مہینہ تک اسی طرح بسر ہوئی پھر فکرِ معیشت لکھنؤ لائی یہہ وہ زمانہ ہے کہ منشی نولکشور نے نیا نیا چھاپا خانہ قایم کیا تھا اور مضافات لکھنؤ کے سارے خوشنویس اور لایق فایق لوگوں کی پکار ہو رہی تھی آپ بھی یہاں اپنی خوشنویسی کی بدولت پچیس روپیہ ماہوار کے منشی مقرر ہو گئے۔ اور محلہ محمود نگر کو مستقل قیام سے اپنے شرف بخشا یہی وہ محلہ ہے جہاں آتش مرحوم رہتے تھے۔ لکھنؤ والوں میں دردانگیزی کے لحاظ سے جناب نسیم کا کلام آتش سے کسی قدر ملتا جلتا ہوا ہے نسیم مرحوم نے بھی دردانگیزی میں لکھنؤ کے اساتذہ میں آتش ہی کو منتخب فرمایا تھا کہتے ہیں کہ ؎

کلامِ آتش مرحوم سے بھی نالہ پیدا ہے :: نسیم آگاہ تھا کچھ وہ بھی دردآشنائی کا

اسی زمانہ میں نواب اصغر علیخاں نسیم دہلوی نے کہ کچھ عرصہ تک ملازم مطبع نولکشور بھی تھے رحلت کی بعد مرگ ناسخ و آتش انہیں کے دم قدم سے زبان اُردو کی ترقی لکھنؤ میں باقی تھی اِنکی موت نے اوس عہد کے بچے بچائے صاحبانِ فن کو بڑا صدمہ پہونچایا یہی وہ نسیم ہیں جنکا یہہ دعوے مشہور رہا ہے ؎

نسیم دہلوی ہم موجدِ بابِ فصاحت ہیں :: کوئی اُردو کو کیا سمجھیگا جیسا ہم سمجھتے ہیں

مرحوم نے مستعد و لایق و فایق تلامذہ چھوڑے جنمیں۔ عبد اللہ خاں مہر۔ منشی اشرف علی اشرف۔ شیخ امیر اللہ تسلیم۔ مرزا مچھو بیگ عاشق عرف ستم ظریف نامہ نگار اودھ پنچ وغیرہ منتخبِ روزگار لوگ تھے۔ اوستاد تسلیم نے مرگ نسیم کا غم اس قطعہ میں ظاہر فرمایا

کیا کہوں سوختہ جانی تسلیم :: داغ ہے سوز نہانی ہے ہے
چل بسے گلشنِ فانی سے نسیم :: رشکِ قدسی و فغانی ہے ہے
ہر طرف سے یہی آتی ہے صدا :: موجدِ شعلہ بیانی ہے ہے
سن سے نکلی دمِ شیون تاریخ :: ناظمِ ملکِ معانی ہے ہے
۲۸۲

سفر دہلی کے موقع پر میں نے خاندان مومن و تسلیم کے رہے سہے لوگوں کی بہت تفتیش کی مگر کہیں کچھ پتہ نہ ملا تنگ و ناچار سر پیٹ کر رہ گیا۔ حضرت تسلیم فرماتے

ہے کہ مومن و نسیم دونوں کے لڑکے تھے معلوم نہیں کہاں ہیں کیا ہوئے۔
نسیم مرحوم کا ایک لڑکا محمد اسمعیل بیگ عرف بڑے مرزا منکوحہ بی بی سے
تھا اپنی دلہن کو لیکر حج کے لئے گیا پھر واپس نہیں آیا۔ ایک دوسری عورت
سماۃ تبولن کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی یہہ لڑکا ابتدا ہی سے
مجنوں اور دیوانہ تھا۔ ابتک لکھنؤ میں ہے۔ کیا کہوں کہ اس سو برس میں
کس کس طرح زمانہ کا ورق الٹا اور کیا کیا ہوا۔ اب بوجہ کبرسن و ضعف
دماغ کچھ یاد بھی نہیں رہا۔ نسیم کی موت نے استاد تسلیم کو اسقدر جسم
افسردہ کیا کہ عرصہ تک شعر شاعری کو ترک کردیا لکھنؤ کے ایک مشاعرہ میں
شریک ہو کر یوں افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ کہ سے

مرگ استاد سے تسلیم ہوں زندہ درگو ؛ شعر کہتا بھی تو میں خستہ جگر کیا کہتا

جناب تسلیم کا بیان ہے کہ بعد مرگ آتش صرف نواب محمد تقی خانصاحب
سالارجنگی لکھنوی کا مشاعرہ باقی رہ گیا تھا یہہ سات سو ستاون روپیہ
کے وثیقہ دار اور ماہر فن رئیس تھے اکثر اہل کمال اور شعرا کے ساتھہ
بعد اختتام مشاعرہ کچھہ نقد و جنس سے سلوک بھی کیا کرتے تھے۔ انہیں میر کلو
عرش بھی تھے۔ یہ ہمیشہ نوابصاحب کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے
مگر کبھی طرح کی غزل بجز غیر طرح نہیں پڑھی اپنے کو میر تقی میر کا بیٹا کہتے تھے
افیون چڑھ گئی تھی۔ افلاس کا طرہ تھا۔ بالکل گذر چکے تھے۔ انکے ساتھ بھی ہمیشہ
کم و بیش سلوک کیا جاتا تھا۔ اور خالی ہاتھہ کبھی رخصت نہیں کئے گئے
یہ وہی میر کلو عرش ہیں جنکی شاگردی پر لکھنؤ کے مشہور شاعر محمد جان شاد
مرحوم کو فخر تھا انکا یہہ شعر بہت مشہور ہے۔ سے میر کلو عرش

آسیا کہتی ہے ہر صبح بآواز بلند ؛ رزق سے بھرتا ہے رزاق دہن پتھر کا

مصنف آبحیات نے بھی میر کلو عرش کی زندگانی کی تصویر کھینچی ہے جو
استاد تسلیم کے اس بیان سے مشابہ ہے۔

نواب صاحب ابتدا سے نسیم کے شاگرد تھے بعد انتقال اون کے اپنا
کلام اوستاد تسلیم کو دکھلانے لگے۔ یہ ایک بڑا ذریعہ اوستاد تسلیم کی فارغ
البالی کا ہو گیا بظاہر گو دس ہی روپیہ ماہوار دیتے تھے مگر صدہا نوازشیں تھیں
کیونکہ بلحاظ تلمذ نسیم مرحوم نیز اوستاد ہونے کی حیثیت سے جناب تسلیم کا پایہ
سب سے زیادہ بلند تھا یہی وہ نواب سعادت نشان ہیں جنکے حکم سے
مرحوم نسیم کا دیوان جناب تسلیم نے ۱۲۸۵ھ میں مرتب فرما کر چھپوایا۔
افسوس کہ اس واقعہ کے تھوڑے ہی سال بعد نواب صاحب نے انتقال کیا
اور باد مخالف نے اوستاد تسلیم کی فارغ البالی کے چراغ کو ٹھنڈا کر دیا۔
اوستاد نے مرگ نواب کی تاریخیں کہیں جنمیں ایک یہ بھی ہے۔

قطعہ

ترک ہستی گفت ہرگہ ابن سینا مدا ؛ از زمین تا چرخ شور شیون و ماتم رفت
از پئے تاریخ تسلیم حزین چون فکر کرد ؛ گفت دل نواب لاقدر از ین عالم رفت ۱۲۹۵ھ

مرحوم نسیم کی جانشینی کا شرف چونکہ اوستاد تسلیم کو حاصل ہوتا تھا اس لیے
ابتدا ہی سے تلمذ نسیم آپ کی طبیعت پر دلدادہ تھے۔ مثنوی نالہ تسلیم کی
ترتیب کے وقت یہ تاریخ فرمائی تھی۔

چون نظم نمود این فسانہ ؛ تازہ گل من ز باغ تعلیم
گفتم نسیم سال تصنیف ؛ قربان جمال فکر تسلیم ۱۲۹۰ھ

نواب صاحب نے بھی جو باوجود تلمذ نسیم آپ کو غزلیں دکھلاتے تھے اوس کا
سبب یہی تھا کہ اوسی عہد میں آپ نسیم کے قائم مقام تسلیم کر لئے گئے تھے
جناب تسلیم کو نواب کے انتقال کا ابتک سخت صدمہ ہے فرماتے تھے کہ ایک
روز مرض الموت میں جبکہ میں دیکھنے کو گیا تو فرمانے لگے چلتے ہیں پنشن روپیہ
ماہوار اپنے وثیقہ سے آپ کو ہمدوں میرے ورثا میرے بعد آپ کو دیتے رہینگے
یہ کلمے اوسوقت اسقدر دردناک لہجہ میں ڈوبا ہوا تھا کہ بے اختیار میری آنکھ

سے انسو نکل پڑے اور میں نے کہا میری ہمت گوارا نہیں کرتی کہ حضور
نہ ہوں اور میں آپکے وثیقہ کی تنخواہ کہاؤں۔ اس سے آپکی سچی قناعت
کا ثبوت مل سکتا ہے۔

ابھی چند سال ہوئے لکھنؤ میں نواب صاحب مرحوم کی صاحبزادی
اپنی سسرال سے آئی ہوئی تھیں جناب تسلیم یہ سمجھکر کہ اب نواب کی یادگار
یہی ایک باقی ہیں تشریف لے گئے تھے آپ کا نام سنکر پردے کے قریب
بلوایا اور پیرانہ سالی اور پریشانیوں پر بہت افسوس کرنے لگیں کچھ روپیہ
اور کپڑے کے تھان کے ساتھ رخصت کیا مرحوم نواب کے داماد کی بابت جناب
تسلیم نے لکھا تھا کہ اون کو شعر و شاعری سے تعلق نہیں وہ ایک اور ہی
خیال کے آدمی ہیں نہ اونکو میری خبر نہ مجھے اونکی۔

بعد انتقال تسلیم و مرگ نواب آپکی طبیعت بہت افسردہ ہوگئی اور
بطور یادگار طبع موزوں جو کلام غدر میں لٹ لٹا کر بچ گیا تھا بصورت کلیات
جمع کرکے منشی نولکشور صاحب قدردان اہل کمال کے حوالہ کیا اور اونکے
حکم سے وہ چھپکر مشہور دیار و امصار ہوا۔ اس میں افکار اول کا حصہ گویا پہلے
جو کچھ سنہ ۵۷ع کے غدر کے بعد موزوں فرمایا تھا مرتب کیا ہے۔ اوس پر
بھی فرط عجز سے کہتے ہیں کہ ندامت ہے عمدہ باتیں رہ گئیں

جب لکھنؤ قدردان رئیسوں سے خالی ہو گیا تو خداوند عالم نے نواب
کلب علیخاں بہادر فرمانروائے رامپور کو مسند نشین ریاست کر دیا۔
سارے ذی علم لوٹ پڑے۔ اوسوقت اون کے مستقل درباری
شعرا میں بحر فخر التلامذہ ناسخ - صبا - اسیر - امیر - منیر - داغ
جلال - سحر - عروج - جواں بخت - قلق - رسا - منصور وغیرہ موجود تھے
ایک روز نواب صاحب نے کہ [illegible] تسلیم تھے دربار میں پوچھا کہ تسلیم کہاں ہیں
چنانچہ کسی نے کہا کہ مطبع نولکشور میں۔ آپ نے فرمایا کہ بلوا لیجئے۔ یہاں تک

کہ حضرت امیر مینائی نے آپکو طلب کرلیا اور آپ اول اول بزمرہ شعرا تیس روپیہ ماہوار کے نوکر ہوئے دو سو روپیہ عید کے موقع پر ملا کرتے تھے۔ علاوہ اس کے اوسوقت دربار کی کچھ اور تھا۔ صدہا عنایتیں تھیں۔ میرے خیال میں اوسوقت کا رامپور صرف دار السرور ہی نہ تھا بلکہ دربار اکبری کا جواب تھا۔ ہرفن کے اہل کمال جمع تھے بالخصوص شعرا کو بڑا فروغ تھا اس جلسہ میں جہاں چار طرف لکھنؤ والے اور زیادہ تر ناسخ و آتش کے نام لیوا یکگونہ بھرے پڑے تھے، دلی والوں میں داغ کی بھی ایک رنگ بدل ڈالا تھا ایک قدیم دلی کے مٹے مٹائے رنگ کا پیرو جو اپنی طولانی عمر کے لحاظ سے بھی سب میں ضعیف الدماغ ہوگا کسطرح ممتاز ہوا تعجب ہے بجز اسکے کہ مومن کا روحانی فیض یا افضال ایزدی اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اُن سارے اساتذہ کی زبان پر آپکا نام جب آیا لفظ اوستاد کے ساتھ آیا جسنے کہا تسلیم نہیں کہا بلکہ اوستاد تسلیم ہی کہا۔ رفتہ رفتہ آپکے یہ سارے ہمعصر یہاں اُٹھ گئے۔ اور صرف امیر۔ داغ۔ جلال۔ تسلیم۔ رہ گئے اسی زمانہ کے لوگوں نے ان چاروں کو زبان اردو کا اربع عناصر کہا ہے جنمیں تین چل بسے آپ ایک رکن آخر باقی ہیں۔

غرض نواب کلب علی خاں بہادر نے بعد چندے آپکی قابلیت کا اندازہ فرماکر ناظر عدالت پیشکار۔ مدرس۔ ڈپٹی انسپکٹر مدارس وغیرہ کے مختلف عہدوں پر معمور فرمایا تنخواہ میں ترقی بھی تیس ۳۰ سے پچاس تک ہوئی۔ یہ عہد آپ کے لئے نہایت ہی مبارک تھا۔ اور اچھی طرح بسر ہوئی جسکو اپنے آخر زمانہ میں برطرفی کی خبر سنکر یوں روتے رہے۔ ہائے

تسلیم عہد کلب علیخاں گذر گیا ؛	جھوٹوں بھی اتنو کوئی نہیں پوچھتا مجھے
کبھی موقوف ہیں تسلیم پاتے ہیں کبھی تنخواہ	بس کلب علیخاں خارج و داخل میں رہتے ہیں

گرامی نامہ تسلیم مشفقی مجبی منشی ضمیر الدین احمد صاحب زاد عنایتکم۔ بعد سلام تسلیم سلام ۔۔۔

سکے مظہر مدعا ہوں سب طرح خیریت ہے صحت و عافیت آپکی ایزد تعالے
سے چاہتا ہوں - میرا حال ابتک بدستور ہے تخفیف کی فہرست میں نام
لکھہ گیا ہے مدار المہام صاحب نے منظور فرمالیا ہے نواب صاحب بہادر
کی منظوری باقی ہے سنا جاتا ہے کہ ۹ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ کو احکام جاری ہونگے
جسکا آب و دانہ ہوگا رہیگا باقی موقوف ہوجاینگے - میں بھی حکم کا منتظر
ہوں - منشی امیر احمد صاحب یہاں سے بھوپال گئے وہاں کچھہ دن ٹہر کر حیدرآباد
دکن تشریف لیگئے دیکھیے آتے ہیں یا وہیں قیام کرتے ہیں - شبیر احمد میرا
شاگرد ہے وفا تخلص ہے ایک معمولی آدمی ہے دو چار دیہات سرکاری
اوسکے پاس بطور مستاجری کے ہیں اور کھنڈسار جسمیں شکر بنتی ہے یہہ بھی ہے
دس پانچ آدمی نوکر ہیں اوسی کے ایک مکان میں قیام میرا بھی ہے - ہرچند
اوسنے بمقتضاء ہمت خورد و نوش وغیرہ کی نسبت بہت کچھہ کہا مگر میری غیرت
نے نہ چاہا کہ باوجود قدرت کسی کی روٹی پر پڑوں - کچھہ قرار پا گیا ہے وہ
نقد دیدیتا ہوں کہانا کہا لیتا ہوں - یہہ اوسکے خلاف مزاج ہے مگر بمجبوری
لیتا ہے - اگر یہیں نوکر رہ گیا تو مکان علیحدہ لیکر رہونگا - اور بسر اوقات
کے لیے کوئی آدمی یا ماما نوکر رکھونگا - ورنہ جہاں آب و دانہ لے جائیگا چلا
جاونگا - اور بدقسمتی کہ پندرہ روپیہ ماہوار ریاست منگرول سے مقرر تھے وہ بھی
موقوف ہوگئے - اور تنخواہ برطرفی بھی نہیں ملی - کیونکہ ریاست میں روپیہ نہیں
اور کئی لاکھہ روپیہ قرضدار ہے - سولہ مہینہ کی تنخواہ چاہیئے مگر امید ملنے کی نہیں
وہاں کے میر منشی کا نام محمد اصغر علی خاں ہے بیرونجات کے خطوط انہیں
کے پاس جاتے ہیں رامپور کے رہنے والے ہیں - ابھی آئے تھے مجھہ سے
ملے بھی تھے میں نے اون سے بھی اپنی تنخواہ کی نسبت کچھہ ذکر نہیں کیا نواب
منگرول نے پہلے بڑی اولوالعزمی کی جب ہندوستان کے صاحبان فن کا مجمع
ہوگیا تو کمی کرنے لگے غرض ایسی پریشانیوں میں ہوں کیا کیا لکھوں -

امیر اللہ از رامپور ۲ ستمبر ۱۹۱۵ء

اس تحریر کی تصدیق دیوان دوم استاد تسلیم کے صفحہ ۶ ۵ ۳ کی
عرضداشت سے بھی ہو سکتی ہے - یہ اوس زمانہ کی حالت ہے جب
نواب کلب علیخان صاحب چل بسے - اور نواب حامد علی خان فرمانروائے
حال مسند نشین ریاست ہوئے - اسی زمانہ کی بابت حیات تسلیم مطبوعہ
لاہور میں یہ عبارت لکھی گئی تھی (بات یہ ہے کہ نواب حامد علیخان بہادر
خلد اللہ ملکہٗ والی رامپور کو وہ شوق نہیں) اس جملہ کی تردید ہمارے شفیق
حال شہزادہ صادق صاحب دیباچہ دیوان سوم حضرت تسلیم میں یوں
کرتے ہیں (ممکن ہے جس وقت حیات تسلیم کو عرشی صاحب نے تالیف
کیا ہے اوس وقت تک حضور پر نور دام اقبالہم کو توجہ نہ ہو مگر اب تو جو قدر دانی
شعرا کی اس دربار میں ہے آج ہندوستان میں کہیں نظر نہیں آتی -
یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے منتخب شوخ طبع شاعر آج رامپور میں بکثرت
موجود ہیں - اور باوجود توقیر سر مشاعرہ استاد تسلیم کی اعلیحضرت نے فرمائی
ہے وہ احاطہ بیان سے باہر ہے) بلاشبہ یہ امر مان لینے کے قابل ہے کہ
نواب صاحب بہادر نے جناب تسلیم کی نمکخواری قدیم کا صلا مناسب عطا
فرمایا - مگر قدردانی شعرا سے میرے خیال میں اوس زمانے کے اعتبار
سے رامپور آج بھی خالی ہے - سوائے کمال صاحبزادہ جلال مرحوم اور
حیات بخش صاحب رسا کے معقول تنخواہ کسی کی ہے - وہ بھی سنا جاتا ہے
کہ کمال نے قبل از وقت عین جوانی میں انتقال کیا اور باپ کا نام روشن
کر کے چلے گئے - اب دیکھیں مرحوم جلال کا جانشین کون پیدا ہوتا ہے -
خدا وہ دن کرے کہ نواب صاحب بہادر واقعی قدردان اہل کمال
ہو جائیں اور کم سے کم علامہ حضرت منشا د مرزا اوج خلف دبیر نصاحت
لکھنوی وغیرہ کو معقول قدردانی کے ساتھ دربار میں طلب کرائیں کہ یہ لوگ

ذخیرہ یادگار باقی ہیں جس زمانہ کی ناقدر دانیوں پر میں معترض تھا اوسکے متعلق ایک مقطع مناسب حال اوستاد تسلیم کا یاد آگیا ؏

تسلیم بہ کلب علیخاں گذر گیا ॥ ہم بھی تھے ورنہ اہل سخن کی شمار پہ

ظاہر ہوا کہ آج وہ کیسی شمار میں نہیں ہیں - صادق صاحب سے ملاحظہ کو جناب تسلیم کی ایک تحریر پیش کرتا ہوں ؎

(از گرامی نامہ تسلیم) مجی مشفقی زاد عنایتکم بعد سلام سنت الاسلام کے مظہر مدعا ہوں - میں ٹونک گیا تھا وہاں میرا اک دوست ڈاکٹر ظفر محمد خاں سکا بیٹا مسمی وزیر محمد خاں تھا بہت سر برآوردہ اور میرا قدر دان تھا جب میں وہاں پہونچا تو معلوم ہوا کہ اوسکا انتقال ہو گیا سخت مجبور ہوا ہر چند اور ذریعہ ڈھونڈا مگر دستیاب نہ ہوا - ناچار گیارھویں رو ز پھر رامپور واپس آیا

محمد امیر اللہ تسلیم ۲۳ اگست سنہ ۱۹۰۰ء

صادق صاحب کے اطمینان کے لیئے ایک اور سہی (از گرامی نامہ تسلیم) مشفقی مجی زاد عنایتکم - میرا مقدمہ ابھی تک بدستور ہے نواب صاحب بہادر کو اللہ تعالے نے فرزند ارجمند عطا فرمایا ہے - اوسکا جشن اور خوشی ہو رہی ہے - چنانچہ ایک مہینہ سے تعطیل ہے - کچہریاں بند ہیں - کبھی کبھی بغرض کار ہائے ضروری کہل جاتی ہیں - اسیوجہ سے وہ کاغذات پیش نہیں ہوئے دیکھیے کیا ہوتا ہے - منشی امیر احمد صاحب حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تھے وہاں علیل ہو کر راہی جنت ہوئے ایک ہفتہ ہوا تار آیا تھا - نواب صاحب حیدر آباد سے نوبت ملاقات نہیں آئی - افسوس بڑا کامل فن اوٹھ گیا نواب مرزا صاحب داغ بھی سخت علیل ہیں اونکے بھائی یہاں سے اونکی علیلی کا تار آیا تھا یقین ہے گئے ہوں -

رقیمہ نیاز امیر اللہ تسلیم ۲ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء

ایک تحریر اور تاکہ صادق صاحب کو مطلق میری تحریر پر شک نہ رہے -

(از گرامی نامہ تسلیم) مجی مشفقی زاد عنایتکم - بالفعل میرا تعلق اس ریاست سے

جاتا رہا سخت تردد ہے کہ اسوقت کہاں جاؤں - ارادہ ہے کہ منگرول
ملک کاٹھیاواڑ کو جاؤں یا بھوپال جاکر تلاش معاش کروں - تنخواہ [illegible]
ابھی نہیں ملی اوسیکا انتظار ہے اور کیا لکھوں - رقیمہ نیاز محمد امیر اللہ تسلیم ۱۰ جولائی [illegible]
اب بھی اگر صادق صاحب میری صداقت تحریر پر ایمان نہ لائیں تو اور بات ہے
غرض نواب مرزا خانصاحب داغ - اور جناب امیر کے ترک رامپور سے
بعد آپ بھی آخر ناقدر دانی کے ہاتھوں تنگ اور پریشان ہوکر تلاش
معاش میں منگرول آئے - یہاں باوجود مقروض ہونے کے نواب شیخ
حسین میاں صاحب نے پچاس روپیہ ماہوار اور خرچ پر رکنا چاہا -
مگر رامپور کی ازلی قدردانی اور دیرینہ احباب کی محبت کب چھوڑتی تھی
غیر مانوس خلقت اور سمندر کے کنارے کی آب و ہوا کی خرابی وغیرہ کا عذر
پیش کر کے پھر رامپور چلے آئے اور تھوڑے عرصہ تک نہایت درجہ پریشان
رہے جسکا لکھنا تطویل لاطائل ہے - اب دریائے رحمت جوش میں آیا اور
اس بیکسی میں غیب سے صورتیں پیدا ہوگئیں والی حال نے فرزند
ارجمند کی ولادت کی خوشی میں لوگوں کی برطرفی روک دی - جب نواب صاحب
بہادر سفر انگلینڈ سے واپس ہوئے استاد تسلیم نے اپنا منظوم سفرنامہ سرکار
رامپور کہ پچیس ۲۵ ہزار پانچسو اشعار کا دفتر تھا دربار کے موقع پر پیش کیا اور دم
آخر بھی دعاگوئی اور معجز بیانی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا افسوس کہ قبل اسکے
کہ اسکا صلا ملے آپ کشش دربار سے تنگ آکر محروم واپس چلے آئے
وائے پیرانہ سالی - جب تلاش ہوئی نہ ملے اور جب دوبارہ حاضر ہوئے
تو حکم احکام جاری ہو چکے تھے کسی نے اس خزینۂ جواہر کو بھی اوڑالیا
آخر عالیجناب صاحبزادہ مصطفےٰ علیخاں صاحب بہادر پرائیویٹ سکرٹری
کے طفیل سے یہ کتاب مع درخواست پھر پیش ہوئی اور سرکار والاتبار نے
مقررہ تیس ۳۰ روپیہ پر دس ۱۰ روپیہ اضافہ فرماکر چالیس روپیہ ماہوار بطور

پنشن مقرر کردیا۔ اور نواب عالی گہر نے پوچھا کہ تسلیم کیا چاہتے ہوا تنے بڑے باوقعت اور صاحب اختیار نواب کو آپ نے یہ جواب دیا کہ حضور ایک اندوہ روز نیہ تو میرا خزانہ ازلی سے مقرر ہی ہو چکا ہے ہیں اور کیا کہوں ہاں بہتر یہی ہوگی اگر زیارت حج کے ادا کاری کا سامان فرمادیا جاوے۔ اسکا جواب اس مدبر ملک کی طرف سے یہ ہوا گیا کہ ایسے نحیف القویٰ اور کبرسن آدمی کو حج کے لیے بھیجنا گویا اپنے ہاتھ سے کھونا ہے چنانچہ ۱۹۰۶ء سے اسوقت تک آپکو بطور پنشن چالیس ۴۰ روپیہ ماہوار ملاکرتے ہیں اور حاضری دربار کی معاف ہے۔ یہ جدید سفرنامہ لندن جو دوبارہ منظوم کیا گیا تیس ۳۰ ہزار شعروں کا مجموعہ ہے اسکے ساتھ ایک مجلد تاریخ کونسل اوف ریجنسی۔ اور ایک جلد تہ سیم کرد تاریخ بدیع بھی پیش کی گئی تھی۔ صادق صاحب نے اوستاد تسلیم کی توقیر کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے اوسکی تصدیق اوستاد تسلیم نے تیسرے دیوان میں خود کی ہے

تسلیم

وہ راحت پاتی ہو حامد علیخاں کی تصدیر ؛ عجب کیا خلد میں بھی یاد مجکو رامپور آئے

ولہ

شکر ہے صد شکر میں نواب کے اب تک تسلیم ؛ عمر کی ہے بسر عزت و توقیر کے ساتھ

خدا وہ دن کرے کہ نواب حال کا ذوق سخن روز افزوں ترقی کرے انکے شعروں پر اوستاد تسلیم کی یہ رائے ہے ۔ از دیوان سوم حضرت تسلیم

اگر پوچھتا ہوں وجہ وجد دل سے ؛ یہ دیتا ہے مجکو جواب اول اول

کہ نواب حامد علیخاں نے تسلیم ؛ کہی یہ غزل انتخاب اول اول

جناب تسلیم کی پنشن کے بعد ہی اونکا دل و دماغ ہوش و حواس سماعت و بصارت ایک کرکے سب رخصت ہوگئے گویا امام الشعرا بشاہ حاتم کی جماعت ہی درہم برہم ہوگئی۔ اگلے یادگاران مومن و نسیم سب زیر زمیں چل بسے زمانہ موجودہ کے مذاق کی صورت سے اون کو یہ نفرت ہے کہ دامان گفتگو

سے منہ تک ڈہانک لیا - اوس شبستان سخن کی شمع سحری ایک ذات تسلیم
رہ گئی جنکی نگاہ میں ہر وقت اجل پھرا کرتی ہے اگر کسی وقت وہ ن ازلی
اونکا مجبور بھی کر دیتا ہے تو کچھ کہکر وہ یوں ٹال دیتے ہیں کہ

کہیں تسلیم کیا ہم شعر اب تو وہ زمانہ ہے ؛ کہ صدہا جیسے پڑہے جاہل سخنور ہو جاتے ہیں

عمر شریف اور حواس

عہد ولی د حاتم سے اوس وقت تک اردو کے نامی اساتذہ میں جو عمر
کہ آپ کو اللہ پاک نے عطا فرمائی میری یاد میں کسی اور کے حصہ میں شاید
نہیں آئی اللہم زد فزد اسوقت کہ یہ کتاب زیر تالیف ہے تو آپ کی صحیح عمر
۱۰۲ برس کی ہے - مگر ہوش و حواس لازمی میں مطلق فرق نہیں البتہ بصارت
و سماعت میں بہت بڑا فرق آگیا اور اسی سے لائق تحریر و تقریر نہیں رکھا
آپ کا آخری گرامی نامہ جو چند راز مرسلہ سے ملو ہے مجکو ۱۴ ستمبر ۱۹۰۹ء
کو ملا تھا اوسکا مضمون آخری یہ ہے -

از گرامی نامہ تسلیم - میرا ضعف بصارت اور ثقل سماعت حد سے بڑہ گیا
دیوار بن گیا ہوں - یہ خط اٹکل سے لکھا گویا چند لکیریں کھینچدیں - کچھ نہیں
پڑہا گیا کہ کہاں صحیح لکھا اور کہاں کون لفظ رہ گیا - امیر اللہ تسلیم

اس تحریر کے بعد کوئی تحریر دست خاص کی مجکو نہیں ملی ہرچند کوشش
کی - مگر تعجب ہے کہ اس صد سالہ عمر میں آپ جو فرماتے ہیں یاد رکھتے
ہیں جب کوئی دوست ملنے آتا ہے تو لکھوا دیتے ہیں - گرچہ معذوری اس
مقطع سے ظاہر ہے کہ

سو برس کی عمر میں تسلیم کیسی شاعری ؛ اب دل کو نظم کی خواہش نہ اتنی کی ہوس

بہرحال جو کچھ کہ دیتے ہیں اوس اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جسطرح اردو
زبان کے شعرا میں عمر کا بڑا حصہ آپکو ملا - دل و دماغ بھی اللہ تعالے نے ویسا ہی
عطا فرمایا - ورنہ یہ عمر وہ ہے کہ انسان اپنے سے کروٹ تک نہیں بدل سکتا -

اسس عمر طولانی کے بڑے حصہ کو آپ نے لکھنؤ اور رامپور میں گذارا اور بہر گرم و سرد زمانہ میں شاکر اور صابر رہے۔ بعد انتقال داغ و امیر احباب کے دکن سے آپ کو اکثر طلب کیا مگر صرف اس مطلع پر معذرت چاہی کہ

میرے دلمیں تمنائے دکن کچھ اور کہتی ہے ؛ مگر یاد امیر بے وطن کچھ اور کہتی ہے

ہائے اس میں شک نہیں کہ منشی امیر احمد صاحب اس زمانہ آخر میں اپنے بڑے صاحب فن دوست تھے۔ پھر ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز کی موت تھی کسطرح صدمہ عظیم نہوتا۔

یہ میں لکھ چکا ہوں کہ ۲۴ راگست ۱۹۰۹ء سے اسوقت تک کوئی تحریر اوستاد تسلیم کے دست خاص کی میرے نظر افروز نہیں ہوئی۔ ہمارے دیرینہ عنایتفرما جناب ناظر محمد یار خاں صاحب جنکے مکان میں اوستاد تسلیم کا اب قیام ہے اور برابر حاضر و غائب وہ اونکے غمخوار ہیں جواب عریضہ دیا کرتے ہیں بوجہ پیرانہ سالی مجھکو چنداں کاوش بھی نہیں ہوئی کہ وہ خود ہی تحریر فرمایا کریں مگر اکتوبر ۱۹۱۰ء میں چند شبہات کے جواب کی ضرورت لاحق ہوئی اور چاہا کہ دم آخر تبرکاً کچھ کلام تازہ اپنا بغرض اصلاح بھیجدوں چنانچہ بھیجا۔ تو بہت اصرار پر ناظر صاحب کا یہ عنایت نامہ صادر ہوا۔

جناب والا زاد عنایتکم سلام علیکم۔ جناب کا خط معہ رباعیات و غزل پہونچا حضرت اوستاد کو سب سنا دیا اب اونکی سمع و بصر میں بہت فرق آگیا ہے اوستاد سے بڑا نہیں جاتا۔ میں نے بہت اصرار سے آمادہ کیا ہے کہ جواب خط میں لکھدونگا آپ بطور ثانی جسطرح ہو دو سطریں لکھدیجئے۔ وہ جب لکھتے ہیں تو ایک حرف کے دو دو حرف ہو جاتے ہیں۔ اور الفاظ پر لکھدیتے ہیں۔ کبھی شعر کہتے ہیں تو یاد کے واسطے اٹکل سے کچھ لکھ لیتے ہیں۔ پھر دوسرے وقت اوسکو کسی سے صاف کرا لیتے ہیں۔ اچھے شعر دیکھئے۔ **شعر**

بگڑ کر یہ صحرا میں دکھلائی آنکھ ؛ ہرن بھی وہاں سے ہرن ہو گیا

کی بابت کہا کہ اس محاورہ پر عرش کا شبہ صحیح ہے اوسکے لئے یہ بہت اچھا ہے اگر نشہ والے کو کوئی کہے کہ نشہ ہرن ہو گیا یعنی نشہ جاتا رہا اور ہرن کے واسطے بھی کہہ سکتے ہیں مگر چلیے جانیکے واسطے عام کے لئے ٹھیک نہیں نشہ کے لئے خاص کر بہت موزوں ہے اور کہا کہ تمہاری رائے سے اتفاق ہے کل پرسوں تک اونکے قلم سے آپ کے اطمینان کے واسطے خط ارسال ہوگا اور سب خیریت ہے یہ کارڈ جوابی آپکا مدت کا آیا ہوا تھا اسی پر اسوقت عریضہ ارسال ہے اوستاد سلام علیک فرماتے ہیں ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۲ء

محمد یار خاں از رامپور

اسکے بعد گرامی نامہ اور اصلاحی تحریر کا بہت انتظار رہا مگر بعد چندے وہ غزل بعینہٖ واپس آئی اوسکے ساتھ بلبل تسلیم صبر رامپوری کا ایک خط تھا وہ یہ ہے۔

مخدومی مکرمی جناب بھائیصاحب آداب عرض ہے۔ والا نامہ پہونچا آگہی پائی۔ قبلہ اوستادی مدظلہ العالی نے آپکی غزل معہ رباعیات کے سُنی مگر کیا کریں مثل دیواریں نظر بالکل بیکار ہو گئی۔ کانوں سے معذور ہیں دست و پا بھی بالکل بیکار ہیں چلنا پھرنا سب جاتا رہا غزل وغیرہ سنکر بہت خوش ہوئے۔ اور کہا کہ ٹھیک ہے۔ زیادہ غور سے دیکھنے کے قابل اب میں نہیں رہا یہی لکھدو ؎

صبر رامپوری

قول فیصل۔ غرض اپنے طور پر میں نے اس شعر کو یوں بنا لیا ہے ؎

بگڑ کر صحرا میں دکھلائی آنکھ ؎ ہرن کا نشہ بھی ہرن ہو گیا

چلیے جھگڑا چکا۔ اور اوس گرامی نامہ تسلیم کو جو ۲۲ اگست ۱۹۰۹ء میں ملا تھا اوستاد کی تحریر آخری جانکر میں نے سطور سرمایۂ حیات رکھ چھوڑا تھا کہ وہ تسلیم جنکی کل تک تحریر بھی نظر افروز ہوا کرتی تھی آج ایسے معذور ہو گئے کہ ہم محروموں و دور افتادوں کے لئے خواب و خیال ہیں۔ خود فرماتے ہیں ؎

مرگ رکنے کے دم پیری دم آنیکو کیا کہئے ؎ جلنے کا یہ عالم ہے مرجانیکو کیا کہئے

ناظرین پر اونکی بگڑی حس اور دماغی کیفیتوں کو میں نے صریح طور پر روشن کر دیا اب وہی مجھے بتلائیں کہ اس زمانہ میں اونکی تحریر یا تقریر پر اگر کوئی خرد ماغ جاہل معترض ہو تو حماقت نہیں تو کیا ہے شاید اپنی شہرت کے لحاظ سے اونکے سروں پر یہ جن سوار ہو گیا ہے۔ بہر حال میں جناب ظہیر دہلوی یادگار ذوق کا ممنون ہوں کہ انہوں نے از راہ حق گوئی اوس تحریر میں جو اغلاط احسن میں درج کرنے کو صبر صاحب کے پاس بھیجا ہے اوستاد تسلیم کے اوستاد مسلم الثبوت ہونے کا اعتراف کیا ہے معترضین کے اگر آنکھ ہوتی تو وہ اون مقطعوں ہی کو دیکھ کر نادم ہو گئے ہوتے اور اعتراض کا قصد نہ کرتے۔ تسلیم ؎

بد حواسی یہ بڑہی ہے دم پیری تسلیم ؛ اب جو کچھ کہتے ہیں یار و نکو سنا لیتے ہیں

پھر فرماتے ہیں

نتیجہ سمجھے اے تسلیم بد حواسی کا ؛ اگر میری غزل میں نکتہ چیں کوئی خلل دیکھے

صبر صاحب کو بھی لازم ہے کہ وہ ایسے جھگڑوں سے باز آئیں اونکو اگر کوئی خطاب ملا ہے تو اس لیئے نہیں کہ وہ باعث فساد ہو

طریقہ اصلاح

راقم کو امیر۔ داغ۔ جلال۔ تسلیم۔ شمشاد سب کا طریقہ اصلاح کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بلحاظ توضیح علامہ شمشاد کے عنوان اصلاح کو میں سب پر فوق دیتا ہوں مولانا ظہیر احسن شوق کو خدا جوار رحمت میں جگہ دے کہتے تھے کہ موجودہ اساتذہ لکھنؤ میں جو علمی قابلیت اور تحقیقات فن جناب شمشاد کو ہے کسیکو بھی حاصل نہیں اوستاد تسلیم بھی اس خیال کے معترف ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں باوجود اپنی کبر سنی اونکو مخدوم مکرم جانتا ہوں۔ چنانچہ اوستادی حضرت شمشاد مدظلہ کا جب دیوان اول چھپا تو جناب تسلیم نے یہ تاریخ ارشاد فرما کر ملک پر علامہ شمشاد کی بابت اپنا خیال اسطرح ظاہر فرمایا کہ۔

زہے اوجِ کمالِ فکرِ شمشاد ٭ کہ از ادراک حدش عقل حیراں
بعلمِ شاعری یکتائے عالم ٭ بوالا گوہری ہمنسل دوراں
پئے تاریخ کردم فکرِ تسلیم ٭ کہ باشد شیوۂ موزوں کلاماں
بگوشش از رہِ الفت عجب آمد آواز ٭ بگو دیوانِ استادِ سخنداں
۱۳۱۲ھ

مگر جناب تسلیم کے عنوانِ اصلاح کا ڈھنگ کچھ اور ہی ہے یعنی دو چار
لفظوں کے ردوبدل میں شعروں کو چمکا دیتے ہیں۔ درد انگیزی بلندی
مضمون یہ حصہ انکا ہے۔ اور منتہی لوگوں کے اصلاح کے کام کے ہیں
اسلئے کہ زیادہ تر حاشیہ اور وضاحت یہاں نہیں۔ اور مولانا شمشاد کے
یہاں بال کی کھال پہنچی جاتی ہے۔ متروکات رشک کی پابندی الگ ہے
وہاں۔ یہاں۔ واں۔ پہ۔ وغیرہ کچھ نہیں اونکا یہ خیال ہے کہ کچھ ہو عیب نہ ہے
اور شاگرد باخبر ہو جائے۔
میں نے استاد تسلیم کو اول اول جب غزل اصلاح کو مرزاپور سے بھیجی تھی
تو آپ نے یوں تحریر فرمایا۔

گرامی نامہ تسلیم۔ عنایت فرمائے دوستان زاد الطافکم۔ بعد سلام
سنت الاسلام مظہر مدعا ہوں کہ آپکا عنایت نامہ مع ایک غزل کے آیا
حال معلوم ہوا۔ پہلے میں شکریہ اس بات کا ادا کرتا ہوں کہ آپ نے
عزت افزائی اور قدردانی کی راہ سے مجھے اس قابل سمجھا کہ ایسی بلند غزل
کو بنظرِ اصلاح دیکھوں میں مرادآباد گیا ہوا تھا جب آیا تو آپ کا عنایت نامہ
دیکھا۔ اسی وجہ سے جواب لکھنے میں دیر ہوئی۔ معافی کا امیدوار ہوں آپکے
اصرار سے غزل میں دو ایک جگہ میں نے دخل دیا ہے اسکو دیکھیے مجھے میرے
خیال میں آپکو چنداں ضرورت اصلاح نہیں۔ آپکا خادم امیر احمد تسلیم

سچ ہے خدا کسا کی طبیعت اوس زمانہ میں منیر مرحوم کے کلام کی دلدادہ تھی اور
رشک کے متروکات کی پابندی بھی اوستادی علامہ شمشاد مدظلہ کے حکم سے

کر لینا پڑی تھی اور اب تک ہی اور اسی قید کے ساتھ اوستاد تسلیم نے مستغنیٔ اصلاح فرمایا ہے۔

غیر اصلاح

رہ سکا یاد اچھلنا وہ تن بسمل کا مقتلیں :: شفق سے جا ملا قاتل مرا لاشہ لہو ہو کر

اصلاح از اوستاد تسلیم

اچھلنا رنگ لایا تن بسمل کا مقتل میں :: شفق سے جا ملا قاتل مرا لاشہ لہو ہو کر

رنگ تصویر میں جو رنگ آمیزی اس حیثیت بندش کے ساتھ کی گئی ہے اوس سے شعر رنگین ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ۔ غیر اصلاح

چھپا صحرا میں چاکِ دامنِ مجنون خاک سے :: خطوطِ نقش پا رہ رہ گئے تارِ رفو ہو کر

اصلاح

چھپا صحرا میں خاک اوس نے چاکِ دامنِ مجنوں :: خطوطِ نقش پا رہ رہ گئے تارِ رفو ہو کر

اس تعقیدی لغزش کو جس خوبی سے اوستاد تسلیم نے دور کیا ہے اوسکو تو مشّاق شاگرد ہرگز نہیں سمجھ سکتا ہے۔

غیر اصلاح - وہ مکانِ قاتلِ خونخوار ہے :: جسکی ہر زنجیر در تلوار کی

اصلاح - وہ مکانِ قاتلِ خونخوار ہے :: جسکی ہر محراب در تلوار کی

زنجیر اور محراب ان دونوں میں کیا فرق تھا وہ ظاہر ہے تلوار کی تشبیہ میں کسقدر آبداری آ گئی ہے۔ فافہم

غیر اصلاح - آنکھ اونکی صورت متصور ہے :: اور جو تارِ نظر ہی وار ہے

اصلاح - اونکی پتلی صورتِ منصور ہے :: اور جو تارِ نظر ہی دار ہے

اس ایک لفظ کے رد و بدل میں کیا بات پیدا ہو گئی اسکی عینی شہادت کو پتلی کافی ہے۔

غیر اصلاح - مجکو اے بے خبر کر کے صورت دکھائی جاتی ہے :: جا لبوں پہ مرا دم و گھبرائی جاتی ہے

توضیح اصلاح - [illegible] میں ایک بحث طویل ہے کیونکہ عبارت مشعر [illegible] ہے - فی - [illegible] اکثر نے ایسا ہی لکھا ہے۔

غیر اصلاح - عرش وہ جھومتا ہوا دیکھو :: آرہا ہے شراب خانے سے
(آنے سے جانے سے طرح تھی)

توضیح اصلاح - مرکب لفظ کو ہندی کرنے سے ہمارے استاد نے منع کیا ہے مفرد کو مضایقہ نہیں - جیسے فسانہ - مرکب لفظ میں جو واضع نے ترکیب دیکر معنی قرار دیا ہے وہ جاتا رہتا ہے - جیسے شرابخانہ بمعنی خانۂ شراب و خانہ می - ہندی ہونے سے ترکیب مقلوب نہیں رہی -

چند فوائد سخن ::

یہ ساری بحثیں ملکی نفع کے لیئے کی گئی ہیں ورنہ چنداں ضرورت نہ تھی (از گرامی نامہ تسلیم) - محبی مشفقی زاد عنایتکم - بعد سلام مسنون کے واضح ہو دیوان آپکا پہونچا اور ایک لفافہ بھی آیا - کچھ میں نے دیکھا ہے کچھ باقی ہے - رمضان کے مہینے نے بیکار کر دیا روزے میں کچھ موقع نہیں دن بھر روزہ - گیارہ بجے شب تک قرآن سُننا شغل کر دیتا ہے عنقریب دیوان آپ کا دیکھکر روانہ کرونگا - حسب دریافت عرض ہے کہ سورہ یٰسین و قصہ لقمان کے نون کا اعلان حالت اضافت میں جایز نہیں - اسکا یہ قاعدہ ہے کہ آخر میں نون ہو اور ماقبل نون کے حرف علت واقع ہو اور حرف علت کے ماقبل کی حرکت موافق نہو اوسوقت اعلان نون مع اضافت جایز ہوگا جیسے دل فرعون محب حسین - الفت سبطین - قبلۂ کونین - کعبہ دارین - دیکھو ان لفظوں میں حرکت ماقبل حرف علت کے موافق نہیں یہ قاعدہ مفصل پھر لکھونگا -

محمد امیر اللہ تسلیم

زمانہ ہوا میرے دیرینہ عنایت فرما حافظ فضل حق آزاد عظیم آبادی نامہ نگار اپنچ نے اک غزل چھپوائی تھی - گرداب دیکھا ہے - سرخاب دیکھا ہے - اوسمیں اک مصرع تھا - ع - رخ مہتاب پر چھینٹے ہوئے مہتاب دیکھا ہے - میاں یعقوب اوج نے جو اس عہد میں میرے معتقد تھے اس غزل پر غزل لکھی تھی اور

اور لاہور پنچ کے ذریعہ سے آزاد صاحب سے چھیڑ نکالی بالآخر قصہ طول
ہوا - اور آزاد صاحب کو میرے اس نالائق شاگرد کے آگے خفت ہوئی ۔
(گرامی نامہ تسلیم) مجی مشفقے زاد عنایتکم - بعد سلام سنت الاسلام کے
مظہر مدعا ہوں - مہتاب بمعنی آتشبازی واقعی مونث ہے جو شعر آپ کے
کسیکا لکھا ہے اوس میں جو لکھا ہے غلط - دیکھی ہے چاہیئے جن لفظوں کی جمع
ی - ن - کے ساتھ بنے وہ اکثر مونث ہے جیسے بلبلیں - بلائیں - وغیرہ
امیر اللہ تسلیم از رامپور ۲۴ دسمبر سنہ ۱۹

آزاد کی تحقیقات فن کی نسبت مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کی طولانی
بحثیں موجود ہیں - اتنا ضرور ہے کہ ہمارے صوبہ کے لیئے آزاد عظیم آبادی کی
ذات مولانا حالی یا اکبر حسین الہ آبادی وغیرہ سے کم نہیں انگریزی تراش کی
نظمیں خوب لکھتے ہیں - ایشیائی شاعری اور تحقیقات فن [illegible]
ایک بار میں نے جوبن بمعنی پستان نظم کیا تھا - اوس پر جناب تسلیم نے
لکھا کہ بھائی دلی والوں کا یہ مذہب نہیں ہمارے یہاں یہ لفظ بمعنی حسن یا ابھار
البتہ منشی امیر احمد صاحب کے یہاں بمعنی پستان ہے میں اسکو ابھار اور
حسن کے معنی میں جائز رکھتا ہوں - فافہم

ہمعصری اور احباب کی صحبتیں

باب ہمعصری میں نواب اصغر علیخاں نسیم کی مقبولیت لکھنؤ میں ناسخ
مرحوم کے بعد ہوئی - شیخ امام بخش ناسخ جو لکھنؤ کی شاعری کے جان
اور شعرا کے امام مانے گئے اونکا تذکرہ نسیم نے اپنے دیوان میں اکثر کیا ہے
اور انصاف کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا - ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

ناسخ مغفور تھا استاد یکتا اے نسیم ۔ لکھنؤ والوں میں وہ سب سے نرالا ہو گیا

ناسخ کے تلامذہ میں بحر - رشک - خواجہ وزیر وغیرہ جناب نسیم کے ہمعصر تھے
اور بوجہ کبیر سنی جناب تسلیم بھی ان اصحاب کے ہمعصر کہے جا سکتے ہیں مگر

نسیم کی شاگردی کے لحاظ سے میں اوسکو پسند نہیں کرتا۔ مگر رشحات صفیر
بلگرامی میں جسکی ترتیب عہد غالب۔ و بحر۔ رشک و اسیر وغیرہ میں ہوئی ہی
اوس میں انہیں حضرات کے نام کے ساتھہ ساتھہ جناب تسلیم کے شعروں
کی بھی سند موجود ہے جس سے اوس عہد میں تسلیم کا مستند ہونا ظاہر ہوتا ہی
اگر یہ اونکے ہمعصر نہ ہوتے تو اونکا نام بھی امیر داغ۔ جلال وغیرہ کی طرح
وہاں پر نہ ہوتا۔ یہ رسالہ غالب کی تقریظ سے سراپا مستند ہے کسی اور
کی تصدیق کی ضرورت بھی نہ تھی۔ بہر حال ان سارے وجوہ کے موجود
رہنے پہ بھی بخیال نسیم میں تسلیم کو خلیق۔ قبول۔ برق۔ منیر۔ اسیر۔ رند۔ صبا
وغیرہ کا ہمعصر سمجھنا مناسب جانتا ہوں گو فرط عجز سے آپ نے اپنے کو ان تمامی
صاحبان فن کا خادم تصور فرمایا۔ یہانتک کہ اپنے ہمعصر اوستاد بھائیونکو
بھی اپنا مخدوم مکرم جانا۔ ہرچند کہ زمانہ تسلیم کر چکا کہ آپ خاندان مومن
و نسیم کے چشم و چراغ ہیں۔ مگر منشی اشرف علی صاحب کو نسیم کا شاگرد
اول سمجھکر ہمیشہ واجب التوقیر خیال کرتے رہے۔

از گرامی نامہ تسلیم۔ عنایت فرمائے دوستان زاد الطافکم۔ بعد سلام مسنون
کے مظہر مدعا ہوں منشی اشرف علی صاحب خوشنویس نسخ و نستعلیق منشی
نولکشور کے قدیم ملازم ہیں اور مرزا نسیم مغفور کے شاگرد اول۔ بہت کچھہ
کہا ہے لکھنؤ اشرف آباد میں رہتے ہیں۔ امیر اللہ تسلیم

اکثر یہ بھی فرمایا کہ منشی اشرف علی کا پایہ تلامذہ نسیم میں بہت بلند ہے
بندہ خدا نے بہت کچھہ کہا مگر سب کے سب بندہے پڑے ہیں اگر کلام
انکا جمع کیا جاتا تو دو تین دیوان ہوتے۔ (منشی صاحب موصوف کو میں نے
بھی لکھنؤ میں دیکھا تھا آدمی منکسر تھے چند سال ہوئے کہ لکھنؤ کا یہ [illegible]
کمال نہایت گمنامی کے ساتھہ دنیا سے اوٹھہ گیا۔ حیات تسلیم مطبوعہ لاہور
میں جو انکو مصطلحات زبان اردو کا مصنف غلطی سے بتلایا ہے وہ [illegible]

اشرف علی نہیں ہیں وہ ایک دوسرے بزرگ کشمیری تھے اور وہ اخبار
کے عملۂ صحت میں عرصہ تک رہے۔ منشی اشرف علی صاحب کی کہی ہوئی
تاریخیں متعدد کتبہائے قدیم مطبوعہ مطبع نولکشور میں موجود ہیں عاشقانہ شعروں
کے لحاظ سے مجھے صرف یہ دو شعر یاد ہیں ؎

روح نکلی تن سے جب بیکل ہوئی ؛ یوں شبِ فرقت کی مشکل حل ہوئی
دید کی حسرت رہی دل میں مرے ؛ تیغِ ابرو سے نظر گھایل ہوئی

انکی نسبت علامہ حضرت شمشاد لکھنوی تحریر فرماتے تھے کہ میں نے صغیر سنی
میں شیخ امیر اللہ صاحب تسلیم کے ساتھ دیکھا تھا۔ آدمی نہایت خلیق تھے
پرانی وضع کے لوگوں کا کیا کہنا۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں صاحبوں کو لکھنؤ چوک
میں ایک کتب فروش کی دوکان میں بیٹھا ہوا دیکھا مجھکو دیکھکر کہنے لگے کہ تم بھی
کچھ شعر اپنے پڑھو اونکے اصرار پر جو کچھ یاد تھا میں نے پڑھ دیا کہنے لگے کہ یہ لڑکا
ایک زمانہ میں بڑا ماہرِ فن ہوگا۔ چنانچہ واقعی خاندانِ ناسخ میں آپ کی ذات منقطع
سخن ہے خود فرماتے ہیں ؎

تا حشر منقطع نہ ہو ناسخ کا سلسلہ ؛ شمشاد شاعری ہے اسی خاندان تک

نسیم کے شاگردوں میں۔ اشرف۔ عبداللہ خاں مہر۔ مرزا مچھو بیگ عاشق
وغیرہ جناب تسلیم کے ہمعصر تھے مگر مقبولیت خداداد جناب تسلیم ہی کو حاصل
ہوئی۔ اگر منشی واجد علی صاحب خوشنویس لکھنوی اپنے بھائی جناب اشرف کا
جستہ جستہ کلام جو اونکے پاس ہے چھپوائیں تو اون کے خیالات کا اندازہ بھی ہو جائے
گا۔ اوس میں اکثر ذکر جناب تسلیم کا ہے اور ممکن ہے کہ اوسی بستی میں نواب
اصغر علیخاں کے ہاتھ کے اصلاحی خطوط وغیرہ بھی ہوں۔ ان چیزوں کا اب
زمانہ اور کسی طرح نہیں دیکھ سکتا ہے اسلئے کہ جو کچھ نوشتہ اونکا اوستاد نسیم
کے پاس تھا مع دیوان اصلاحی ۵۷ء کے غدر میں جب لکھنؤ سے نکلے تھے
لٹ گیا۔ ایک پرزہ بھی جناب نسیم کا باوجود تلاش نہ ملا اور اون کو نہایت افسوس

جناب تسلیم مرحوم کے دفتر خاص کے تلف ہونے کا ہے جسمیں مومن
خانصاحب کی ہمہ تن قلمی تصنیف کی نقل بھی ہے جس میں بسیط بحث وجہ تشبیہ
کی تھی۔ یہ وہ سفینہ تھا جو ہمیشہ مومن خاں صاحب کے بیٹنے سے نکل کر تکیہ
میں محفوظ رہا تھا۔ افسوس کہ قوم کی ناقدردانی سے یہ چیزیں عالم وجود میں آکر
عنقا ہو گئیں ہائے

طوف ہر نخل کرینگے صفت گرد نسیم ؎ ہم پس مرگ بھی قربان گلستاں ہونگے

نسیم کے تلامذہ میں مہر کی بابت استاد تسلیم فرماتے ہیں کہ عبداللہ خاں مہر
خلف مصطفٰے خاں صاحب مطبع باتوقیر تلامذہ نسیم میں سے تھے۔ ان کو پہلے ناسخ
کے ایک شاگرد کی شاگردی حاصل تھی جب نسیم لکھنو میں آئے اور ان کی
درد انگیزی کلام کا شہرہ ہوا تو یہ بھی اسی باغ کے گلچین ہو گئے۔ زمانہ قیام
کلکتہ میں لشاخ سے خوب خوب چھیڑ رہی۔ کہتے ہیں کہ کلکتہ کے مشاعرہ میں جو
کچھ پڑھا ہمیں سنایا تھا کچھ یاد نہیں صرف ایک مطلع مہر کا یاد ہے ؎

آپ لسانی و تقریر کی کیا لیتے ہیں ؎ ہم سخن ساز کو باتوں میں بنا لیتے ہیں

منشی اشرف علی صاحب کی نسبت کہتے ہیں کہ بعد مرگ نسیم محبت کی راہ سے ایک
روز انہنے چند شعر مجھے سنائے تھے جب یہ مطلع پڑھا ؎

گو فصل گل آئی ہوئی جنبش نہ ذری بھی ؎ اللہ بڑا قہر ہے بے بال و پری بھی

تو میں نے کہا کہ بھائی۔ ذری نہ کہا کرو اسلیے کہ ذرا مخفف ذرہ کا ہے اسکو تمنے
اور مخفف یہ یائے تانیث کر دیا۔ تو منشی اشرف علی نے اس مطلع کو اپنی غزل
سے نکال دیا۔

جیسا کہ زمانہ قبل و حال میں معصروں کی چھیڑ چھاڑ مشہور ہے آپ نے
ہمیشہ اس رشک فن میں اپنے دل کو رنج سے پاک رکھا کوئی صحبت کوئی جلسہ
کوئی ماہر فن آپ کے دور میں نہیں گذرا جس نے محبت کے ساتھ بسر نہ کی ہو
آخر زمانہ آپکا رامپور کے مجمع ماہران فن میں گذرا جہاں ہر مزاج کے لوگ موجود

تھے یہانتک کہ خدا بخشے حکیم ضامن علی صاحب جلال کو اپنی نازک مزاجی میں میر تقی مرحوم کے نام کو زندہ کرنے والے تھے انکے ساتھ گو شوق نیموی شاگرد تسلیم کا طولانی جھگڑا رہا مگر اس جھگڑے میں کبھی جناب تسلیم نے مرحوم جلال کی محبت کو نہ چھوڑا اور اس فساد سے بالکل الگ رہے جب جلال ترک رامپور کے بعد لکھنؤ چلے گئے تو وہاں بھی جب کبھی استاد تسلیم گئے مرحوم سے ملتے جلتے رہے ۔ غرض یہ کہ جناب تسلیم کا عجز نمایشی نہیں اپنے کو بوجہ کریم النفسی ہمیشہ بے حقیقت جانا اور شعر و شاعری کے اخباری چھیڑ چھاڑ میں اپنی ذات سے ہرگز شریک نہ ہوئے ۔ اگر بمقتضائے انسانی شاید اپنی عمر کے کسی حصہ میں ایسا ہوا بھی ہو تو وہ رنج آپکا کسی ہوا کے جھونکے سے زیادہ نہ ہوگا ۔ کیونکہ آپ نے حسن اخلاق کا نام بقائے دوام رکھا ہے اور آپکو شباب چل بسا ہر وقت زباں پر بجائے ان ہنگاموں کے یہی رہ گیا ہے ؎

چھوڑ دنیا کو سوئے ملک عدم چل تسلیم ۔ راستہ دیکھتی ہے گور غریباں تیرا

ان کے مزاج تک تو انکا کوئی بھی شاگرد نہیں پہونچا مگر ایمان کی یہ ہے کہ جب ایک جھگڑا انکے شاگردوں نے چھیڑا آپ نے برابر سمجھایا اور منع کیا اگر زمانہ حواس میں بلبل تسلیم والی تکرار ہوتی تو انکو بھی آپنے روک دیا ہوتا ۔ میرے ہوا خواہوں نے جو لاہور پنچ میں چند سال تک داغ سے چھیڑ نکالی تھی مجھکو اس کی بابت برابر لکھا کہ کوئی کچھہ کرے تو الگ رہو ۔ احباب میں بھی جب کبھی ایسی شکر رنجی ہوئی آپ بیچ میں پڑے اور رفع شر و فہمایش کے پہلو نکالے یہاں تک کہ عہد آغا علی شمس میں جو شکر رنجی درمیان زہرا ۔ مشتری اور سمت شمس مرحوم کے ہوئی تھی اوس میں اس فرقہ غیر مانوس کے نام فہمایش کا بھرا ہوا خط لکھکر مجمع صلح ہوئے وہ نامہ نامی کلیات تسلیم میں موجود ہے اس قصہ کی تشریح

یوں کہتے ہیں کہ۔ آغا علی شمس سے میری ملاقات تھی مرد بے بدل تھا نواب محمد تقی خاں سالار جنگ کے پاس اکثر آیا جایا کرتا تھا ایک شاہی محل کا داروغہ بھی تھا۔ زہرا مشتری کو فارسی پڑھاتا تھا۔ زہرا نے آخر کو کسی سے لکھنؤ میں نکاح کر لیا اور مشتری رامپور میں دو سو روپیہ ماہوار کی نوکر ہو کر چلی آئی۔ اسی زمانہ میں وہ نامہ منظوم میں نے لکھا تھا اوستاد تسلیم سے باوضع شخص نے یہاں پر صرف حافظ کے اس شعر کی تقلید کی ہے۔ شعر

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است :: با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

آپ کے سامنے احباب کی بے فکریوں کا عجیب عجیب زمانہ گذرا۔ عہد میر علی اوسط رشک شاگرد رشید ناسخ میں جو استعارہ کی ہوا چلی تھی اور جس کی مخالفت جان صاحب ریختی گو نے کی یہ سب واقعہ آپ کے سامنے گذرا قائل کی شاعری کی بہار آپ نے خوب دیکھی۔ قائل ہے

چھڑا چلا فلک پہ بت خانہ جنگ کا :: چھوٹا ہے نیل گاؤ پہ کتا لنگ کا

رشک کی مشہور غزل ہے

چاول الماس گوشت لخت جگر :: ذوقِ یار میں پلاؤ نہیں

اس کے مقابلہ میں جو متعدد اشعار جان صاحب نے کہکر رشک کے نام مشہور کیے ہیں

دور سے چھیڑ ہے ہلاؤ نہیں :: رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں

یا منیر مرحوم کے ایسے اشعار سع پیٹھ پر تیرے پڑیں کر لی کی چھڑیاں تو سہی یہ سب آپ کے سامنے کی گلفشانیاں ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسی زمانہ سے اہل لکھنؤ نے استعارہ کو ترک کرنا شروع کیا اور مرحوم رشک کہ تاویلات اور استعارہ کا بادشاہ تھا اپنی جدت کلام کی مقبولیت میں محروم رہا۔ رشک کو اس رنگ میں اسقدر دخل تھا

کہ جب منیر شکوہ آبادی خدمت ناسخ میں بغرض اصلاح گئے تو دو چار
غزلوں کی اصلاح کے بعد اون کو رشک کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ تمھکو
اونہیں کی ذات سے فائدہ پھونچے گا۔ مرحوم منیر کی بابت فرماتے
ہیں کہ پہ شکوہ آباد کے تھے ناسخ کے بھی شاگرد تھے اور رشک کے
بھی رامپور میں بزمانہ کلب علی خاں ملازم ہوئے اس سے قبل فرخ آباد
میں اور اوس سے پہلے نواب علی بہادر کے ملازم رہے زمانہ غدر میں
بجرم بغاوت کالے پانی بھیجدئے گئے تھے پھر وہاں سے رہا ہوکر
آ رہے۔ طبیعت زبردست معلومات خوب تھی۔ ہر رنگ میں قادر تھے
اپنے اوستاد کے رنگ میں بھی کہا کرتے تھے۔ دو دیوان انکے رامپور
میں چھپے اب کم یاب ہیں۔ میں نے اونکے طبع دیوان کی تاریخ کہی تھی

قطعہ

زہے اوج مہر کمال منیر ⁘ ملی اہل فن میں کسے شان یہ
چھپے تین دیوان ایک سال میں ⁘ مراجنکی نسبت ہے ایمان یہ
دل و دیدہ اہل تحقیق میں ⁘ فصاحت بلاغت کی ہے جان یہ
کہا فکر تسلیم نے پھر سال ⁘ چھپے خوب ہمیشل دیوان یہ

واجد علی شاہ کے مشاعروں کی بابت کہتے ہیں کہ جناب رشک بھی
شریک ہوتے تھے۔ رشک نے ایک مرتبہ فارسی محاورہ میں پانی
کا لفظ باندھا تھا بادشاہ نے کہا کہ جب پانی فارسی ہے تو اردو میں کیا
کہینگے رشک نے کہا تم۔ بادشاہ نے فرمایا ابھی تک بچپن نہیں گیا
(سبچے پانی کو ہم کہتے ہیں) بادشاہ کو یہ لفظی دست اندازی اسقدر
ناگوار ہوئی کہ حکم دیا آئندہ رشک میرے مشاعروں میں نہ آیا کرے
شاعری اور شاگردوں کی اس سے بدنامی ہے۔
جان صاحب کی بابت جناب تسلیم فرماتے ہیں کہ نواب عاشور

علی خاں کہ شجاع الدولہ کی اولاد میں نہایت سخن فہم رئیس تھے
مگر کسی مشاعرہ کی کبھی شرکت نہ کی نہ کسیکو اپنا کلام سنایا۔ اُنکے یہاں
جان صاحب۔ چرکین۔ مہتر۔ کہنڈی وغیرہ جمع ہوا کرتے تھے نواب صاحب
مضحکہ کے شعر کہہ کر اون لوگوں کو دیدیا کرتے تھے اور یہ لوگ
اس ذریعہ سے مشاعروں میں شریک ہوکر لوگوں کو خوش کیا کرتے
تھے کہتے ہیں کہ جانصاحب قوم کے بڑھئی تھے۔ میر یار علی نام تھا۔
شرف الدولہ کے مکان کے متصل حسین آباد میں رہتے تھے۔ ان کو
نواب عاشور علی خاں نے اوسی رنگ کا ریختی گو شاعر بنا دیا۔ آدمی بے
علم تھے۔ نواب دروازہ کی آمد و رفت میں مشہور ہوگئے یہانتک کہ عہد
کلب علی خانی میں رامپور آئے اور بیس روپیہ تنخواہ بھی سرکار سے مقرر
ہوگئی۔ مگر محتاجی میں بسر ہوئی۔ ان کے لوگ ہنوز رامپور میں خراب
حالت میں موجود ہیں۔ جانصاحب ایک بار بوجہ ہجوگوئی کے زیر عتاب
واجد علی شاہ ہوگئے تھے شہر بدر کردیے جانے کا حکم نکل چکا تھا چند
مقربین کی سفارش سے حکم منسوخ ہوا۔ جان صاحب کے شاگرد [illegible] کو ہمنے
سنا تھا بہت خوب پڑھتے ہیں خبر نہیں کیا ہوئے کہاں گئے ریختی میں
کمال ہے

امانت کو بھی جناب تسلیم نے خوب دیکھا۔ کہتے ہیں کہ یہ اندر سبہا
واسوخت۔ ٹھمریاں وغیرہ بہت خوب کہتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ان واقعات
کو زمانہ ہوگیا کہ اب اسکی یاد کچھ سینے میں باقی نہیں۔ (امانت کے
بیٹے سید عباس حسن صاحب فصاحت ہنوز لکھنؤ میں موجود ہیں اور
ہمارے غائبانہ مہربان خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت سیکرٹری
انجمن اصلاح سخن کی تحریر سے اس زمانہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ فصاحت
لکھنؤ کے باآبرو شعرا میں داخل ہیں اللہم زد و فزد۔)

وضع اور مذہبی عقائد

پرانی چال کی وضع ثقاہت اور وجاہت سے مملو۔ اب عمامہ باندھنے لگے۔ پہلے دو پلڑی کلاہ رکھتے تھے کبھی چکہ دار ٹوپی رہی۔ اچکن اور عبا پہنتے ہیں اور ڈھیلا ڈھالا پاجامہ ہمیشہ سے۔ قد و قامت صورت شباہت پر سپاہیانہ دم خم۔ اب ڈاڑھی زیادہ بڑھا دی۔ پہلا فوٹو جو حیات تسلیم مطبوعہ لاہور میں چھپا اوس وقت تک ڈاڑھی اوسط درجہ پر تھی۔

عقائد سنیہ حنفیہ کے ابتدائی عمر سے پابند۔ صبر و رضا و قناعت جو شیوہ بزرگان قدیم کا تھا آپ میں پورے طور پر موجود ہے۔ بکر و اہل کبر دونوں ازلی نفرت۔ اسلامی پابندیوں میں مثل کوہ قایم و ثابت۔ بعد نماز صبح و ظہر بلاناغہ دو مرتبہ تلاوت قرآن اور کثرت درود شریف لازمی۔ دوران علالت میں بھی نماز اور وظیفہ کو کبھی ترک نہیں فرمایا۔ یہانتک کہ شدت مرض اور عالم بے ہوشی میں بھی زبان پر آیات قرآنی جاری رہے۔ اب کا کیا ذکر ہے اسوقت تو آٹھ پہر درود و وظایف کا مشغلہ ہے جسکی عینی شہادت کو تیسرے دیوان کا فوٹو موجود ہے۔ انگریزیت بہوے سی بھی آپکے دامن تک کبھی نہیں آئی۔ یہانتک کہ فوٹو کیا بلا ہے اب اس زمانہ میں اوس سے بھی واقف نہ تھے۔ جب خاکسار نے اول اول بڑی ضد کی تو آپنے لکھا کہ بہائی میں شاہی زمانہ کا آدمی ہوں یہ بھی نہیں جانتا کہ فوٹو کس طرح کھینچتا ہے کیا ہوتا ہے پھر بھی تیسرے تقاضے پر رامپور کے ایک مصور کے پاس گیا تھا اوس سے خدا جانے کیوں تصویر نہ کھنچ سکی اس شرم سے بندہ خدا نے ملاقات بھی ترک کر دی اب قصد ہے کہ ادا جب کبھی الہ آباد آؤں آپ کے حکم کی تعمیل کروں۔ یہانتک کہ سینکڑوں تقاضے پر آپ مرادآباد گئے اور سولہ روپیہ میں خدا جانے کس لٹیرے نے مین تصویریں کھینچ دیں جنمیں دو مجھے بھیجیں ایک کوئی اور لے گیا میں نے اس نایاب

سنے کو غنیمت جانکر بذریعہ حیات تسلیم مطبوعہ لاہور ایک تو مشتہر کر دیا او
ایک چوکھٹے میں لگا رکھی ہے۔ اسی کو بغرض یادگار زمانہ میں نے ایک غزل
میں منظوم بھی کیا ہے۔ ؎
تسلیم کی تصویر ابھی ڈاک میں آئی ۞ اے عرش وہ اوستاد کا جلوہ نظر آیا

اولاد واقارب۔

پہلی بی بی سے آپکے ایک صاحبزادے مسمّی بہ حافظ تجمل حسین ہیں۔
یہ لکھنؤ محمود نگر قریب مقبرہ اسد شاہ ہنوز مقیم ہیں۔ یہ حافظ قرآن تھے شباب
کے لااوبالی زمانہ میں بھول بھال گئے۔ جسکا سخت صدمہ اوستاد تسلیم کو ہے
وارستہ مزاجی کے سبب سے شادی نہیں کی ہمیشہ آزاد ورہے۔ علم
مناسب۔ باعتبار خوشنویسی کامل ہیں خط بہت صاف ہے اسی ذریعہ
سے کچھہ پیدا کر لیتے تھے اب آنکھوں کی معذوری سے جو بلحاظ عمر ہو گئی
بوڑہے باپ کے بالکل محتاج ہو گئے شعر و شاعری سے انکو کوئی تعلق کسی
وقت میں نہیں رہا۔ اوستاد تسلیم پہلے سات روپیہ ماہوار بھجوا دیتے تھے اب
سرکار نواب والاجاہ نے پنشن مقرر کر دی ہے بارہ چودہ روپیہ ماہوار بھیجدیتے
ہیں دوسری شادی جناب تسلیم کی لکھنؤ میں ہوئی۔ یہ برابر رامپور میں ساتھہ
تھیں افسوس کہ کئی برس ہوئے دم پیرانہ سالی اوستاد تسلیم کو داغ مفارقت
دیا دفعتاً ہیضہ میں مبتلا ہو کر قضا کر گئیں۔ غفر لہا۔ اون کے انتقال کی تاریخ ہی
ایک قدیم ماما اونکے ساتھہ کی رہ گئی تھی بہت کچھہ بعد انکے اوسنے حق نمک
ادا کیا وہ غریب بھی اون کے بعد ہی چل بسی۔ جناب تسلیم اب بالکل تنہا
رہ گئے۔ اس بی بی سے کوئی اولاد نہیں۔

رشتہ داروں میں آپ فرماتے ہیں کہ میرے والدین بہائی تھے ایک
بہائی مسمّی محمد قاسم لاولد مر گئے دوسرے محمد اسمعیل تھے۔ اونکے بیٹے کریم
تھے اون کے دو لڑکے ہنوز موجود ہیں۔ ایک قطب عالم قصبہ گونڈہ میں گھاگرہ

پا رضہ روپیہ ماہوار کے محافظ دفتر ہیں دوسرے صاحبزادے بدر عالم مدرس اسکول
انگریزی ہیں انکو للعہ ملتے ہیں قطب عالم صاحب کا ایک لڑکا ظہیر عالم نامی بی-اے
ہیں تحصیل علم کرتا ہے - یہ سب خوشحال ہیں - مگر افسوس کہ کسی نے جناب
تسلیم سے رکن خاندان کا نام روشن نہ کیا -

مدرس صاحب سے جنکا ذکر اوپر آیا مجھے یاد آتا ہے کہ طبع حیات تسلیم مطبوعہ
لاہور کے موقع پر مجکو ایک گرامی نامہ لکھا تھا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ گو جناب
تسلیم کو یاد نہ ہوگا مگر میں اونکے عزیزوں میں ہوں - اور صاحبزادہ تجمل حسین
کے سرفراز نامے تو برابر آتے ہیں اور میں اون کو بہر طور واجب التکریم جانتا
ہوں اور ظاہر و مخفی تلامذہ اوستاد تسلیم سے عرض ہے کہ ہم لوگوں پر اونکے حقوق
ضرور ہیں انکا حاضر و غائب ادب اور خیال چاہیئے -

بجز ان حضرات کے نزدیک و دور کوئی اوستاد تسلیم کا باقی نہیں ہے آہ سہ ذوق
اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات ؛ رو کر اسے گذار کہ ہنسکر گذار دے

مجکو بڑا شکوہ عزیزان تسلیم سے ہے کہ اوستاد تسلیم کو جو اس زمانہ آخر میں پیغمبر
آخر زمان نظم یا ملک الشعرا ہیں اُن لوگوں نے نہ پہچانا نہ اونکی کسی نے خبر لی جسکے
لیئے آج غیر آنسو بہا رہے ہیں اوسکا کوئی اپنا پرسان نہو - اس زمانہ میں جو
لطف اہلیت و خدمت کہ انکے دیرینہ شاگرد جناب محمد یار خانصاحب ناظر
عدالت رامپور کے ہاتھوں حاصل ہے کسی اور سے نہیں اور اس اعتبار
سے اس اہل شاگردو میں شاگرد و نہیں کہہ سکتا بلکہ عصائے پیری - اور
اولاد کہتا ہوں - خدا انکی عمر و اقبال میں برکت دے کہ اس بیکسی میں اوستاد
کے لیئے آپ کی ذات غنیمت ہے -

فیض خواب -

آپ فرماتے ہیں کہ بعد انتقال نسیم میں نے اونکو کبھی خواب میں
نہیں دیکھا میرے اس مطلع کی نسبت سنہ ا تسلیم

مر کے بھی شعلہ فشاں ہی دل پر درد مرا ۔ گرمیاں کرتا ہے ابتک نفس سرد مرا

جو کچھ مشہور ہے غلط ہے۔ نہ میں نے اسیر نسیم مرحوم سے خواب میں اصلاح لی نہ اُس کی بابت کبھی سے کوئی ذکر کیا خبر نہیں کہ یادگار نسیم میں یہ واقعہ کس شاگرد نے لکھ بھیجا۔ سوانح نگاروں کو ذاتی تحقیقات یا اُنہیں مختلف طور پر صحت کی عادت تو ہوتی نہیں معتبر خواہ غیر معتبر جس طرح پر جو سن لیا لکھ ڈالا۔

کہتے ہیں کہ روحانی فیض کا میں ضرور قائل ہوں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں مثنوی صبح خنداں لکھ رہا تھا دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور میں ایک مقام کو پڑھ رہا ہوں مومن خاں اسکنہم اللہ فی فرادیس الجنان تشریف لائے اور مجھسے کہا کہ مطلب سے اسقدر دور یہانتک کہ میری آنکھیں کھل گئیں اور میں نے مثنوی کو نکال کر دیکھا تو واقعی اوس مقام کے متعدد اشعار پسند نہ آئے اور میں نے اونکو نکال ڈالا۔ اس زمانہ کے لوگ خواب کو خیال تصور کرتے ہیں اور ایسی باتوں کو ضعف الاعتقادی پر محمول فرماتے ہیں

کلام تسلیم

جناب تسلیم کی شاعری لکھنو کے خطہ شاعر خیز میں پیدا ہوئی اِسکی پرورش بڑے ناز و نعمت کے ساتھہ نسیم یادگار مومن کی گود میں ہوئی جب یہ جوان ہوئی تو نسیم کا سایۂ عاطفت سر سے اوٹھ گیا۔ لکھنو والوں کی صحبت میں دلی کی سادگی میں کسیقدر طرحداری بھی آگئی عہد غدر میں جہاں خلقت کی سلطنت لٹ گئی یہ بھی تباہ و برباد ہوکر گھر سے نکلی اور اپنے کھولت کے آخری زمانے میں رامپور آئی۔ یہاں کی آب و ہوا کسیقدر موافق تھی مگر پیرانہ سالی کا غلبہ ہوا یہانتک کہ اب سو برس کی بڑھیا ہے کبھی کبھی جوانی کی آن بان دکھا جاتی ہے اور یہ امر مسلم کہ اس عہد کے نوجوان سے دم خم میں رہے سہے بوڑھے اچھے ہیں۔ اب دیکھیئے کہ اس غریب کی مٹی کہاں کی ہے

افسوس کہ جو کچھ افکار اول غدر میں ہمراہ اثاث البیت لٹ گیا ورنہ

اسکی ابتدا اور انتہا کی تفصیل کرکے ناظرین کو اسکی مختلف آب و تاب سے محظوظ کرتا مگر کروں کیا مجھکو اس کے شباب کے آخری زمانے سے بحث کرنا پڑی جسوقت کلیات تسلیم مرتب ہوا - اسکو اگر زمانہ کہولت بھی کہوں تو زیبا ہے

آب و تاب قصائد - (درشان واجدعلیشاہ)

سنبل ہر شاخ پر پڑھتی ہی بیٹھی عندلیب ؛ خطبہائے مدحت واجدعلی شاہ جہاں ؛
جسکی ادنے زرفشی زرکی بدولت دہر میں ؛ مختصر ہی طول داماں زمین و آسماں ؛
پڑگئی تھی ایک نگاہ مہر جو روز ازل ... ؛ آج تک ہی کاسۂ خورشید انور زرفشاں ؛
عادل و مسکین نواز و جرم بخش و ظلم کاہ ؛ صاحب جود و سخا و دستگیر بیکساں ؛
نکہت افشانی و امان نسیم خلق سے ؛ ہو رہا ہے حلقۂ آغوش عالم عطرداں ؛
گرسنے تقریر روح افزا تو فرط شوق سے ؛ بلبل تصویر بھر گفتگو کھولے زباں ؛

طرز تغزل - دررنگ نسیم

ہمپہ احسان ہے مزار پاک کا ؛ خاک نے پردہ کیا ہے خاک کا
صورت شعلہ ہوں میں نازک مزاج ؛ ناز اٹھ سکتا نہیں پوشاک کا
اڑکے پہونچی آستان یار تک ؛ حوصلہ دیکھو ہماری خاک کا
ہوں وہ خودبیں سامنے ہنگام ذبح ؛ آئینہ ہے خنجر سفاک کا
وائے بیدردی نہیں کوئی شریک ؛ ماتم صبح گریبان چاک کا
مرگ سے شرم گنہگاری گئی ؛ روز و شب ہے منہ پہ دامن خاک کا

خوف کیا تسلیم روز حشر سے ؛
گرد دامن ہوں شہ لولاک کا

عنوان غزل سرائی - درطرز اہل لکھنؤ

لکھا ہے یکقلم مضمون جنبہائے پردا نکا ؛ جواب دفتر گلشن ہے ورق ہر اپنے دیوانکا
تعلق مرکے بھی باقی رہا زلف پریشا نکا ؛ ملاقسمت سے ہر ورق تختہ سنبلستاں کا

نمو خط ہوئی۔ بوسہ لبونکا کون پاتا ہی ؛ اجارے میں خضر کے اب ہے چشمہ آب حیوا انکا

ہر رنگ بوئے گل عریاں بسر کی باغ عالم ؛ سبکروحی سے نازاٹھانا ہے ہمسے انپڑ دامانکا

میں وہ آتش قدم ہوں گرمی رفتار سے میری ؛ بنایا چاہ وہ صحرا کو رشتہ شمع سوزاں کا

اثر کرتی نہیں اسکے کو صحبت پست فطرت کی ؛ ہوا دامن نہ گرد آلودہ عکس ماہ تاباں کا

ادب آمیز ہی دست جنوں طرفہ تماشا ہے ؛ جھکا آتا ہے سوئی پاؤں دامن سر گریبانکا

مقابل آج ہے تسلیم خستہ اہل معنی سے

خدایا آبرو رکھنا تصدق شاہ مردانکا

طریقہ نظم بطریق رباعی در زمانہ کتابت مطبع نولکشور

کوئی مخلوق ہوا زہد و عبادت کیلئے ؛ کوئی پیدا ہوا عالم کی حفاظت کے لیئے

ہم سیہ نامہ تھے ما شد قلم اسے تسلیم ؛ آئے اس صفحہ ہستی پہ کتابت کے لیئے

مثنوی نویسی میں آپ نے نکہت کے رنگ کی تقلید کی ہے متعدد مثنویاں لکھیں جو لکھنو والوں کے رنگ سے بالکل الگ ہیں۔ مثنوی نالہ تسلیم عہد نسیم میں رقم فرمائی اور قصہ محمود غزنوی کو منظوم کیا جسکو شکوہ دہلوی وغیرہ نے بھی لکھا ہے عنوان بیان کا اندازہ اس باب سے ممکن ہے (سراپا)

جو دیکھی شکل اوس نور خدا کی
زباں محو جواب لن ترانی
چھپے حسن صفا کیا پیرہن کی
لکھے گر خامہ وصف موئے مشکیں
خم ابرو کی پیوستہ سے ہر دم
کہاں قوس قزح ان پر گشتہ نمودار
منور شب رخسار دلخواہ
زباں کو شکوہ قید سخن ہے
اگر دیکھے گلو سے جلوہ گستن

زباں مشتاق ہو شلے تجلی کی
نظر نا آشنا کو مہر بانے
نظر آتی ہے شکل روح تن سے
ہر اک نقطہ ہوا فت آہو چیں
کھنچی ہے تیغ بہر قتل عالم
کیے دست دعا ہے بہر بیمار
بشکل آفتاب و جلوہ ماہ
نگہبان خال ہے زندان دل ہے
دکھا سکے ہر صراحی اپنی گردن

اکیلی پا سکے شب آغوش خالی
ستارہ ونکو سمجھکر چشم بینا
بنا ہے شوق ناز دلبری کا
جبیں زلفوں سے کیسے نور افشاں
جو دیکھے رنگ چشم سرمہ سا ہی
سمجھ نرگس چشم و پیالہ کھینچا ہے
کہیں لب کیا تمسخر یاقوت ہے
ٹھوڑی در دنداں سے سراپا ہے
یہاں تک ہے نزاکت آفریں

لپٹ جاتی ہے تصویر نہالی
نہیں جسکو نکلتی ماہ سیما
سراپا ہے ابھی عالم پری کی
قریب صبح ہے شام غریباں
لکھے گر ورق آہو ہے پیدا
لب آہو میں یا برگ گیا ہی
خیال بوسہ لایا ہے تحفہ سبک
زباں ہے آب گوہر میں شناور
گراں ہے اونکا عکس گوہر گر

لکھوں گر وصف دستِ سرخ جاناں	قلم نرگس ہو مثلِ شاخ مرجاں	دو پستاں یا حباب بحرِ ہستی	شکم یا موجزن طوفانِ مستی
نہیں ہے ناف ہنگام تماشا	نظر آتا ہے عکسِ چشمِ بینا	خیالِ نازکی سے پیچ کھایا	کمر تک سایۂ گیسو نہ آیا

حنا کچھ پاؤں پر ایسی پھبی ہے ؛ اوسے جب سے ہکو قدموں لگی ہے

لیجیئے زمانہ کہولت بھی ختم ہوا۔ اب اوس شاعری کے عنوان بیان کو ملاحظہ فرمائی جو عمر کے لحاظ سے صد سالہ ہے۔ چاہئے تعجب کہ اسوقت بھی آپ کا دل و دماغ وہ ہے جو اس عمر میں کسی اور کو نصیب ہوگا جب فرمانروائے رامپور نواب حامد علی خاں بہادر سفر انگلینڈ سے واپس آئے تو پھر اپنی طبیعت کا زور دکھلایا۔ یا تو وہ واجد علیشاہ کے نام کا قصیدہ تھا یا یہ نواب صاحب بہادر کے نام لکھا ہی گو وہ تسلیم نہیں رہے ہیں مگر کلام کا فروغ وہی ہے۔

قصیدہ

ہوا بیدار خوابِ ناز سے جب خسروِ خاور ؛ اوٹھایا چاندنی نے فرش روئے خاک بستر سے

عروسِ صبح نے کھینچہ دکھائی جلوہ افروزی ؛ بنا اک قرص کافوری مہِ پر نور گردوں پہ

شب افروزی سی پائی ثابت و سیارے نے رخصت ؛ فلک پر جلائے صورتِ شمع سحر اختر

بدل دیں صورتیں گلزار کی عکسِ شعاعی نے ؛ بنے شبنم کے قطرے روئے گل پر ریزۂ اختر

پھرے سوئے ریاست بھی نسیم لول شہ والا ؛ کہ جیسے غرب سے مشتاق مشرق خسروِ خاور

فریدوں مرتبہ حامد علی خاں صف شوکت ؛ کہ جسکا نقشِ پا ہے تاج فرقِ فغفور و قیصر

بلندی پر جو آئے خاک اوسکے آستانے کی ؛ بنائے آسمانِ پیر کحلِ دیدۂ اختر

جو ذکر آئے مزاجِ شاہ والا کی لطافت کا ؛ دہن میں زباں بن جائے موجِ چشمۂ کوثر

فراست کا ہر پرواز ریاست عین حکمت ہے ؛ سیاست سے ہو خلل فتنہ نوش سدِ اسکندر

نہیں ہیں نام کے باہر کہیں ظلم پرست بے غم ؛ چھپا بیٹھی ہیں معشوقوں کی ہے درد خاچاکر

طرزِ غزل در زمانہ بدحواسی

شمع کے مانند جسم کی سر او ہر جانے کے بعد ؛ زندگی بخشی خدا اسکے مگر مرجانے کے بعد

چاہیئے انساں کو ہر وقت حفظِ آبرو ؛ پھر گھر رہتا نہیں اب گھر جانے کے بعد

کیا کہوں کیا حال ہوتا ہے تمہارے ہجر میں ؛ ہوش تک آتا نہیں دو دو پہر جانیکے بعد
بحر ہستی میں کریں کیا فکر فن زیر مزار ؛ پھر علم کشتی نہیں کچھ پار اوتر جانیکے بعد
تھم جلوہ کا ہوں جہاں دیکھ لیں اہل نظر ؛ پھر نہ آونگا کبھی مثل شرر جانیکے بعد
اب تو اے تسلیم ہیں اہل ہنر بہولے ہوے
یاد فرمائینگے کیا کیا مجکو مر جانیکے بعد

ولہ

ستانا خونیں دلونکو ظالم کہ اپنے ہاتھوں مٹائینگے ہم ؛ بہ رنگ برگ حنا جو پیسا تو اور بھی رنگ لائینگے ہم
جہاں میں جو ہر ہے ذات اپنی غرض ہیں حسن عارضی سے ؛ ہمیشہ طوفان آبرو میں گہر کی صورت نہائینگے ہم
جگر سے لب تک بہرے ہوئے ہیں بہ رنگ نے قصہ مصیبت ؛ جو ہمکو چہیڑیگا بے تکلف تو چشم کچھ کچھ سنائینگے ہم
صبا کا چلنا۔ گلونکا ہنسنا۔ یہ رنگ سارے ہیں دم کے ہمراہ ؛ نظر کے بہرتے ہی اس چمن میں ہوا بھی انکی نہ پائینگے ہم

ہائے مومن اب تک یہ عالم فیض ہے۔ فرماتے ہیں۔ تسلیم

وہ کہہ رہے ہیں کہ ہوش آئے تو اٹھکے بالیں سے گہر کو جائیں ؛ یہی ارادہ اگر ہے اونکا تو آپ ہی میں نہ آئینگے ہم
خدا نے چاہا تو اب کسی دن بجائینگے سو سوے دیر لیکن ؛ تبو نکے سر کی قسم نہ واعظ تمہارے کہنے سے کہائینگے ہم
غلط ہے تسلیم اونکا دعوے جو کہتے ہیں دوستو نسے اپنے
کہ آتا کیا ہے کسے برسوں فن سخن میں بتائینگے ہم

اس مقطع کی ترکیب پر مجکو مکرمی جناب مولوی محمد حسن صاحب فائز بنارسی یاد آگئے جو اس زمانہ میں بڑے نازک خیال اور باریک بین و کہن سال ہیں۔ کہتے تھے کہ میں اوستاد تسلیم کے عنوان بیان کا دلدادہ ہوں اس زمانہ میں یہ باتیں کبھی میں نہیں یہ مٹی مٹائی دلی کا یہ قدیم رنگ کسکو نصیب ہے۔

رباعیات تسلیم کا رنگ بھی نہایت برجستہ ہے۔ فرماتے ہیں

رونا غم شبیر میں پیارا ہوگا ؛ محشر میں شفاعت کا سہارا ہوگا
اللہ ہی اعزاز کرے گا تسلیم ؛ ہر اشک مرا عرش کا تارا ہوگا

دیگر

تسلیم غم تو حوصلہ فرسا کہیے ۔ یا رفو رتمنا کی تمنا کہیے
سر پر ہے اجل دم پہ لبو پر ہے پیا ۔ اس کشمکش نزع میں کیا کیا کہیے

یہ تو اردو کلام ہوا ضمناً فارسی کلام نمونہ بھی ناظرین کے ملاحظہ کو پیش کرتا ہوں - خدا سنجر ظہر الی مقیم رامپور کو سلامت رکھے وہی ایک شخص ہندوستان میں اس طرز بیان کا سمجھنے والا ہے - افسوس میری ملاقات کو ایک مدت ہو گئی اب جگے رہ گیا ہیں آئے بھی تو میں بستر علالت پر تھا - رباعی فارسی از تسلیم کہ بعمر صد سالہ نوشتہ شد -

از علم خدا گشت محرم پیدا ۔ کونین ز کن کرد بیکدم پیدا
بر ظلمت وہم وسعت قدرت نازم ۔ کردست بیک نقطہ دو عالم پیدا

اب میں استاد تسلیم کی شاعری کو رخصت کر کے اونکے تصانیف کی طرف رجوع ہوتا ہوں -

تصانیف تسلیم

دیوان اول غدر میں تلف ہوا - کلیات تسلیم عرف دیوان نظم ارجمند - دیوان نظم دلفروز - دیوان دفتر خیال (یہ آخری دیوان استاد تسلیم کا رامپور میں طبع ہوا ہے اس میں آپ کی تصویر بھی ہے - صاحب مطبع نے بغیر غلطنامہ شائع کرویا ہے -) مثنوی نالہ تسلیم - مثنوی شام غریبان - مثنوی صبح خندان مثنوی دل وجان - مثنوی نغمہ بلبل - مثنوی شوکت شاہجہانی - سفر نامہ منظوم نواب صاحب والی رامپور کے سفر انگلستان کا حال ہے جلد دوم بیس ہزار پانسو اشعار تک اسمیں داخل کیے گئے - تاریخ بدیع - مکمل تاریخ رامپور کی بحساب پانچ جزو میں مطبوع ہوئی اسمیں بصورت توضیح چار عنصر تسلیم کو شامل کیا ہے داخل کتبخانہ سرکار رامپور کے علاوہ انکے متعدد مثنویاں کہہ کہہ کر صاحبان فرمایش کے حوالے کر گئیں - تھوڑا عرصہ ہوا بھوپال کے ایک رئیس کے لیے کہہ کر زیر نظر نواب بیگم صاحبہ ہوکر رامپور آئے تھے

سات سو ۷۰۰ شعروں کی ایک مثنوی تشریح حقوق میں اون کیلیئے لکھکر اون کے نذر کی - وغیرہ

جناب تسلیم کی زندگی کی آخری بہار

حضرت تسلیم کا شمار رسته ۲۰ ہیں بہ زمانہ نواب مشتاق علی خان صاحب اور جنرل اعظم الدین خاں پنشن خوالنہ ریاست میں ہوا قلیل وکثیر رقم گہٹتی بڑہتی رہی - ابتدا میں دو روپیہ کرایہ کا مکان لیکر مجا گویہ تالاب رامپور میں دوسری بی بی کے ساتھہ بسر کرتے تھے - اسکے بعد جب یہ مرگیئں تو تقریباً چھہ سال اپنے کشمیری دوستوں میں بسر کی - ایک مرتبہ ہیضہ میں مبتلا ہوکر قریب مرگ ہوگئے تو جناب شبیر احمد صاحب وفا اوٹھاکر اپنے پاس لے آئے - وہاں پھر باوجود انکار کچھ نقد و پکر بسر کرتے رہے - اسکے بعد آپکے لائق شاگرد جواب انکی جگہ پر ناظر ہیں جناب محمد یار خانصاحب اپنے پاس اوٹھاکر لے آئے - ناظر صاحب سے کے والد ہی جناب تسلیم کے شاگرد تھے نعت گوئی میں کمال تہا یا تخلص ... تھے ... ناظر صاحب بہی تو شاعر نہیں ہیں انکے شاگرد ہو اور یہ جگہ نظارت کی جو محمد کلب علی خاں ہیں اوستاد تسلیم کو ملی تھی انکو ملی تھی یہ صاحب نہایت شریف النفس اور صاحب سخاوت ہیں - چند سے بصد ندامت انکو بہی پانچ روپیہ ماہوار اوستاد تسلیم سے لینا پڑا پھر یہ وقت گذر گیا جب سفرنامہ منظوم مع قصیدہ و عرضی و چار نظم تسلیم وغیرہ اوستاد تسلیم نے جناب نواب حامد علیخان صاحب بہادر کے حضور میں بذریعہ پرائیوٹ سکرٹری بہادر پیش کیا اور چرچا شعرو سخن کا رامپور میں ہوا تو سرکار نے آپکی پنشن چالیس روپیہ ماہوار مقرر کردی اب جناب تسلیم ناظر صاحب کے مکان میں رہکر نہایت عافیت کے ساتھہ بسر کرتے ہیں چالیس روپیہ ماہوار کی تنگ ایک نا نوکر ہے جسکے سپرد ہیں وہ کہانا پکا کر پیش کیا کرتی ہے - بارہ چودہ روپیے ماہوار بیٹے صاحبزادہ تجمل حسین صاحب کو بہیجدیے جاتے ہیں - لکھنؤ کا گہر ناظر صاحب کی محبت میں چہوڑ کر انہیں کو اولاد سمجھہ لیا ہے اور

آخری زمانہ اپنا یادِ خدا میں بسر فرما رہے ہیں۔ اصلاح تلامذہ اور شعر گوئی گویا بند ہے
کسی کسی کی ضد سے ہوں۔ ہاں کر دیتے ہیں ان پر بس۔

مشاعروں کی یاد

عہدِ ناسخ سے اس وقت تک خدا جانے کتنے مشاعرے آپ نے دیکھے
خود کہتے ہیں ؎

شمع افروزی مضمون کی بدولت تسلیمؔ بارہا — مجمع بزم شعرا دیکھ چکے

مگر رامپور کا ابتدائی مشاعرہ آپ کے لیے وہی تھا جو شہزادہ جہاں مرحوم کی موجودگی
میں منعقد ہوا تھا۔ ہر چند سال سے اندر بیرونجات کے مشاعروں میں
علیگڑھ کا مشاعرہ جس میں دہلی کے آخری شاعر مرزا مجروح بھی تھے ایک یادگار
مشاعرہ ہوا۔ فرماتے تھے کہ مولوی فضل الحسن حسرت موہانی کی ضد سے میں اس
مشاعرہ میں شریک ہوا۔ اس مشاعرہ میں نئی روشنی والوں کی یہ نئی قدردانی
نہیں بھولتی کہ بعوض داد کے یاروں نے تالیاں ہی بجائیں تھیں۔ وائے ایشیائی
شاعری۔ تیرا جنازہ یاروں نے انگریزی لباس پہنا کر اٹھایا۔ فرماتے ہیں کہ
اس کے بعد میں نے کسی کمیٹی یا انجمن کے مشاعرہ کی شرکت نہ کی۔ اور فرمایا کہ تسلیم ؎

مٹائے جاتے ہیں اردو کو انگریزی پرست — اپنی قسمت میں خدا جانے کیا لکھا ہے

پھر مرزا مجروح۔ ظہیر۔ مرزا جعفر اوج وغیرہ کو مد نظر رکھ کر ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ ؎

غنیمت جان اے تسلیمؔ دو ایک ہم سے بوڑھوں کو — کہ یہ حسنِ سخن سنگ بنا ہیں تنگ ہے

اسی زمانہ میں استاد تسلیم کی ایک تحریر سے بظاہر کیا تھا کہ حسرت موہانی ہمارے
پاس آئے اور از راہ دلسوزی چاہا کہ اپنے پاس اٹھا لے جائیں مگر ؎

آسمان کی کیا طاقت جو چھڑائے لکھنؤ — لکھنؤ ہم پر فدا ہے ہم فدائے لکھنؤ

چلئے یہ باتیں بھی خواب و خیال ہو گئیں اور حسرت صاحب کی یہ تحریک آخری یادگار
یادگار زمانہ ہو کر رہ گئی۔ مجروح بھی چل بسے۔ غالب کا نام مٹ چکا۔ مومن کی یاد
آخر کی صورت چراغ سحری کی رہ گئی ہے۔

تلامذہ تسلیم

اس بحث کے چھیڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس لیے کہ میں جناب تسلیم کا ایک
کفش بردار قدیم ہوں میں نے اپنی تمامی عمر میں اوستاد تسلیم سے کسی کو اپنا
شاگرد کہتے نہیں سنا نہ باوجود دریافت آپ نے کچھ فرمایا البتہ حیات تسلیم مطبوعہ
لاہور کے طبع کے وقت میں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی میں
اپنا شاگرد کس کو بتلاؤں البتہ اکثر شاعران نو کہن کا دلال ہوں۔ یہاں (یعنی
رامپور میں) چار شاعرہ ماہوار ہوتے ہیں اس سبب سے اکثر مبتدیوں کے ساتھ
دماغ سوزی کرنا پڑتی ہے۔ ناظرین منصف مزاج اب خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس
تحریر و تقریر کے آگے میں اس معاملہ میں کیا لکھ سکتا ہوں مگر فرائض حیات
نویسی میں ایک بات رہ جائیگی اس لیے قدیم گرامی ناموں کو نکال کر جو کچھ
پتا کسی کا ملا اونکے نام نامی درج کردیتا ہوں۔ کہ لوگوں کو شکایت نہ رہے
(قبل طبع اس کتاب کے میں نے رسالہ اردوے معلی علی گڑھ میں اعلان
کردیا تھا کہ تلامذہ تسلیم اور احباب تسلیم اس کتاب کی تکمیل میں ہماری مدد کریں
مگر اون کے کسی بیرونی شاگرد نے جنکا نام اور ذریعوں سے ہمیں معلوم ہوا کچھ
اپنا حال نہیں لکھا نہ کلام اپنا بھیجا کہ مناسب رائے زنی کا موقع ملتا)۔

جن احباب کا پتہ ملا ہے وہ یہ ہیں۔۔ نور [illegible] شیدا لکھنؤ کے رہنے
والے بہت خوش فکر اور طباع تھے نظم و نثر دونوں میں یکساں تھا ضمیر شکوہ آبادی
کے رہا نہیں معز زتلامذہ سے شعرا میں اونکا شمار ہوا ہے کہ اونکے دیوان پر
تقریظ بھی لکھی ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب امیر مرحوم بھی زندہ تھے۔ اوستاد تسلیم فرماتے
ہیں کہ صاحب دیوان تھا۔ اچھا کہتا تھا۔ کوئی شعر اوسکا بوجہ بدحواسی یاد نہیں۔
ان کے انتقال کو بھی بہت مدت ہوگئی۔ حسن دلوں طوطی ہند اور [illegible] میں تخلص
تھی یہ طوطی کا ہمزبان تھا بہت نظم و نثر لکھی۔ اور چاہا کہ مجھے بھی اور میں شعر بنا کے
کرنے میں لیے ان چیزوں کی اصلاح سے یہ ان منقلب قطعی انکار کیا کہ غلطی سمجھا تھیں

ایڈیٹر اودھ پنچ کی اور سرکاری ملاقات تھی - یہ بات وضعداری کے خلاف ہوئی -
سنہ ۱۲۹۶ھ تک اونکی زندگانی کا پتہ ملتا ہے پھر خبر نہیں کب اور کس وقت اور کہاں
انتقال کیا - وائے گمنامی - دیوان غیر مطبوع تلف ہو گیا - یہ تلامذہ اولیں میں بہت
ممتاز تھے -

(یہ وہ ضعیف العمر شیدا نہیں ہیں جو اطراف صوبہ بہار میں رئیسوں کے ہجو
اور نسیم دہلوی کی غزل کی چوری کے سبب سے اخبار الپنچ بانکی پور وغیرہ میں بہت
بدنام ہیں کسی ہجو گوئی کے سبب سے قید بھی ہوئے تھے میں نے اونکو ساٹھ
ستر برس کی عمر میں دیکھا تھا خبر نہیں مر گئے یا کہیں چلے گئے)

علامہ مولوی ظہیر احسن شوق مرحوم نیموی - عالم اور طبیب تھے - نیمی مضافات
عظیم آباد کے رہنے والے ست ہ کی اہلی پٹنہ میں طبابت کرتے تھے - شریف
خاندان مگر غریب تھے - پہلے معمولی کتابیں پٹنہ میں پڑھیں - مولانا محمد سعید صاحب
حسرت عظیم آبادی کے بھی شاگرد تھے پھر غازیپور میں مدرسہ چشمہ رحمت میں
تحصیل علم عربی کی تکمیل علامہ مولانا عبدالاحد صاحب شمشاد فرنگی محلی لکھنوی
مدظلہ العالی سے کی - فن شعر کے نکات بھی اول اول انہیں سے معلوم ہوئے
غزلوں پر اصلاح بھی لی پھر تکمیل طب کے لیے لکھنو گئے اس فن کو بدرجہ اعلیٰ یہاں
حاصل کیا یہ وہ زمانہ ہے کہ خورشید مولف افادات زندہ تھے - چنانچہ افادات میں انکا
ذکر ہے - لکھنو کے نامی شاعر محمد جان شاد یادگار رشک کے ہمراہ مشاعروں میں عزت
پائی - اور سلسلہ اصلاح سخن استاد تسلیم سے بھی جاری کیا - مثنوی نغمہ راز پر جناب
تسلیم سے اصلاح لی - دلی لکھنو کے رنگ کی چاشنی انکو یہیں نصیب ہوئی - عہد
کلب علیخانی میں رامپور گئے اور رسالہ اصلاح کہ مجموعہ نکات سخن ہے معہ
قصیدہ بوساطت استاد تسلیم نذر گذرانا مناسب قدردانی کی گئی دربار [illegible]
کو بھی دیکھا تھا - عہد داغ و امیر تک چند سے رامپور میں قیام رکھا اور بوجہ کمال
علم و تحقیقات بہت ممتاز ہوئے - مرحوم حکیم ضامن علی جلال کی سرمایہ زبان

اردو کی بذریعہ رسالہ سرمۂ تحقیق وغیرہ قلعی کھول دی پنچ اخبارات
میں بڑی دہوم ہوئی۔ پہر مولوی فضل حق آزاد عظیم آبادی سے عرصہ
تک تحقیقاتِ فن میں جھگڑا رہا۔ گیا پنچ آذر اپنچ میں مضامین چھپتے تھے
صاحب دیوان و مصنف کتب واجب التوقیر ہیں۔ علم دین کے بھی بڑے محقق
تھے مولانا فضل الرحمن قدس سرہٗ گنج مراد آبادی سے بیعت حاصل تھی۔ وقت
مرگ ایک کتاب حدیث میں لکھ رہے تھے ناتمام رہ گئی خبر نہیں اونکا دیوان
اور کتب خانہ کیا ہوا انکے ایک شاگرد کہتے تھے کہ انکے ایک بھائی
صاحب علم ہیں وہ عنقریب دیوان طبع کرائینگے۔ شہزادہ زبیر دہلوی
انکے صاحب دیوان شاگرد ہیں۔ ایک شاگرد انکا ضیا تخلص تھا
نوجوان و خوشگو تھا گیا میں اکثر آیا اور خاکسار کے مشاعروں کی شرکت
کی کمیٹی نے اوس مشاعرہ میں بھی شریک تھا جس میں جلال کے طرف سے
اون کے بیٹے کمال شریک تھے۔ فغاں کے لیے۔ زباں کے لیے طرح
تھی ایک شعر بہت ہی پرسوز پڑھا تھا ضیا نے

پکارتی ہے سر شام دل کی ویرانی ؛ چراغ دے کوئی اجڑے ہوئے مکاں کیلیے

لوگوں نے بہت داد دی۔ افسوس کہ بیچارہ کا علم و فن کے لحاظ سے
کورا تھا صرف طبیعت کی روانی نے ممتاز کر دیا تھا ایک رنڈی کے
عشق میں دیوانہ ہو کر بیٹھ گیا وہاں عین شباب میں ہیضہ کی بیماری
سے مر گیا مرحوم شوق کی سرپرستی سے اوسکا دیوان چھپ گیا ہے۔
شوق ابتدا میں منیر کے رنگ کے شعر کہا کرتے تھے۔ پہر داغ کا
رنگ پسند کر لیا تھا داغ انکے رنگ پر خوش و شیفتہ تھے ان کے اس
شعر پر رامپور میں داغ بہت بیچین ہوئے ہے۔

دامن کبھی چھلتے ہیں کبھی ملتے ہیں وہ ہاتھ ؛ اے شوق الہی ہوش میں آنا نہیں اچھا

گیا میں بھی ایک مشاعرہ میں آئے تھے یہ طرح تھی۔ دیوار میں ہے بیمار میں ہے

اسی میں شاہ محمد اکبر صاحب ابو العلائی - اور شمس العلما اثر وغیرہ بھی تھے
یہی مشاعرہ میری انکی ملاقات کا باعث ہوا - اور خدا مغفرت کرے شاہ
محمد اکبر صاحب سے ملایا تھا - بعد تلمذ تسلیم بھی حضرت شمشاد کے بہت معتقد تھے
جیسا کہ خود لکھتے ہیں - (تحسین نامہ شوق) مخلصی و مکرمی تسلیم - مجکو شاگردی
کا فخر جناب شمشاد کی بھی حاصل ہے حضرت شمشاد اہل زبان ہونے کے
علاوہ عربی و فارسی میں استعداد کامل رکھتے ہیں - شاعری کی تکمیل انہیں
دو باتوں پر ہے اول اہل علم ہونا دوسرے اہل زبان ہونا - دونوں باتیں جناب
شمشاد میں موجود ہیں - فقط

شوق نیموی کا انتقال [illegible] - از شہر پٹنہ شاہ کی املی - ۲۶ محرم الحرام مطابق
اوستاد تسلیم کو انکی موت کا بڑا صدمہ ہوا - یہ با توقیر تلامذہ میں ہے - انکی نسبت
مثنوی نغمہ راز میں اوستاد تسلیم اپنے خیالات یوں ظاہر کرتے ہیں -

بارک اللہ اے ظہیر احسن ۔۔۔ مجمع [illegible] ماہر فن
مثنوی لکھی کیا نئی تم نے ۔۔۔ ساحری ساحری میں کی
وہ فصاحت زبان میں کہی ۔۔۔ وہ بلاغت بیان میں کہی
دل ہی جسکا مزا اٹھاتا ہے ۔۔۔ شور تحسین لبونتک آتا ہے
اوج بخشا کمال کو کیا کیا ۔۔۔ دی بلندی خیال کو کیا کیا
سیر نے اک مزا دیا دل کو ۔۔۔ نقش حیرت بنا دیا دل کو

پھر تاریخ کلک کی ہے یہ لئے
واہ کیا دل پسند نغمہ ہے

اوستاد تسلیم فرماتے ہیں کہ مولوی ظہیر احسن عالم آدمی ہو کر اگر اپنے کو میرا
شاگرد کہتے ہیں تو انکی شرافت ہے - افسوس چند سال ہوئے اسہال
کبدی کے عارضہ میں مبتلا ہو کر پٹنہ میں و بروایت دیگر موضع نیمی اپنے وطن
میں جا کر انتقال کیا - اور ملک میں انکی موت باعتبار اس کمال کے

نہایت گمنامی کے ساتھ ہوئی - اوستاد تسلیم کا شاگرد ان سے اچھا اسوقت موجود نہیں ہے بہی وہ لوگ تھے جو اگر دیوانے جانشینی کرتے توزیبا تہا - اب انکا کوئی شاگرد بہی قابل تذکرہ باقی نہیں نہ کوئی اولاد ہے - شوق نے تقریباً چالیس سال کی عمر کے اندر انتقال کیا -

زندہ جو کل ہے آج انہیں کا فسانہ ہے ؎ کس کس کو دیکھے ہی رنگ زمانہ ہے

ان کے تلامذہ میں مرحوم ضیا جسکا ذکر اوپر آیا اوس کے ہمعصری کا خیال ہمارے نوجوان دوست ذوالفقار علی عرف صوبہ آہ تخلص کو بہی تہا مگر یہ لڑکا مطابق ضرورت علم رکہتا تہا اور بڑے بڑوں کی صحبت اٹھائی تہی آخر شراب خواری کے ہاتھوں مٹ گیا - امام باڑہ گیا میں مدفون ہے اوسکا یہ شعر حشر تک نہ بہولیگا - نہ شاید اس سے اچھا مطلع اس زمین میں ہوسکتا ہے یہ گیا کے مشہور شاعر حشر مرحوم کا شاگرد تہا وہ مطلع یہ ہے

شعلۂ غم یوں بھڑکتا ہی دل مایوس میں ؎ جھلملائے شمع کی لو جسطرح فانوس میں

اپنے استاد کا بہی ایک ایسا شاگرد تہا جس نے مرکر اپنے اوستاد کے نام کو بہی اوس کی موت کے بعد مٹا ڈالا - یہ سب خاک ارہ کے مشاعروں میں جمع ہوا کرتے تھے - خدا جانے میں نے اس عمر میں ان آنکھوں سے کیا کیا دیکھا - اسکے مرنے کی تاریخ میں نے (آہ بہار آخر شد) لکہی -

مولوی فضل الحسن صاحب حسرت موہانی بی - اے - اڈیٹر اردوئے معلی آپ موہان کے شرفا میں نہایت ذی علم اور صاحب فن ہیں - ہندوستان کا مشہور رسالہ اردوئے معلی انکی اڈیٹری میں نکلتا ہے زبان کے لحاظ سے موجودہ رسالوں میں اسکا پایہ بہت بلند ہے - قلم کی جولانی میں ایک مضمون گورنمنٹ کے خلاف چھپا جو سبب انکی سزائے قید کا ہوا - علمی و اخلاقی مشغلہ حکام کی نظر بچا کر قیدخانہ میں بہی جاری رکہا اور مصائب سخت

کی حالت میں ایک دیوان بھی مرتب کر ڈالا۔ ایک عرصہ کی پریشانی کے بعد نجح قید سے چھوٹے اس درمیان میں اُردوئے معلی بھی بند رہا اور دار الکتب خانہ بھی برباد ہوا۔ علیگڑھ کے تعلیم یافتہ لوگوں میں باوجود دیکہ اسے ہونے کے بھی ایک ایسا شخص نظر آتا ہے کہ جس نے اپنی ذات کو بخلاف دنیا حاصل کرنے کے قومی خدمت کے لیئے وقف کیا ہے اور بالخصوص اردو انشا پردازی اور ایشیائی شاعری کی ترقی پر جان و دل سے فدا ہے۔

حیات تسلیم مطبوعہ لاہور میں جو انکا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اسکا سبب یہ ہے کہ یہ مخفی تلامذہ استاد تسلیم میں تھے انکا کوئی ذکر جناب تسلیم نے نہیں کیا تھا۔ بعد طبع حیات تسلیم جب میں نے استاد تسلیم سے انکی بابت پوچھا تو فرمایا کہ مجھے یاد نہیں کہ حسرت نے مجھ سے کب اور کہاں اصلاح لی میرے حواس بجا نہیں کہ کچھ خیال کروں۔ مگر بعد چندے جناب حسرت نے رامپور کا سفر کیا تو استاد تسلیم نے مجھے لکھا کہ حسرت میرے پاس آئے تھے اور اپنے کو پہچنوایا اور از راہ دلسوزی بہت اصرار کیا کہ وہ آخر ہر طرح کی عافیت دینے کو میں تیار ہوں آپ یہاں ناحق تکلیف میں ہیں ہمارے ساتھ چلیئے مگر میں نہ گیا۔ ایک اور گرامی نامہ تسلیم سے انکی اصلاح کا پتہ ملتا ہے۔

(گرامی نامہ تسلیم) محبت من میں علیل ہوں پندرہ روز ہوئے گر پڑا تھا ہاتھ اکھڑ گیا اب بفضلہ تعالے درست ہو گیا ہے ورم باقی ہے اور درد بھی ہے دعائے خیر فرمایئے بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ حسرت موہانی کی کوئی غزل ادہر میرے پاس نہیں آئی پہلے برابر اتفاق ہوتا تھا انکی قید کی حالت کو سنکر بڑا صدمہ ہوا۔ آزاد مصنف آبحیات کی موت کا بھی افسوس ہے۔ میرا دیوان سوم چھپ چکا ہے ابھی شیرازہ بندی نہیں ہوئی علاوہ اسکے کاتب نے غلطی بہت کی ہے اسکا غلطنامہ مرتب ہو جائے تو ایک جلد تمہارے پاس روانہ کی جائے گی۔ تمہاری تاریخیں بھی اندراج کو صاحب مطبع کے حوالہ

کردی گئی ہیں خاطر جمع رکھو۔

راقم محمد امیر اللہ تسلیم لکھنوی

موجودہ تلامذہ تسلیم میں حسرت کا پایہ سب میں بلند ہے قابلیت صحت زبان۔ تحقیقات فن رنگ خاندان سب حاصل ہے۔ میں مسئلہ جانشینی اور سجادہ نشینی وغیرہ کے بالکل خلاف ہوں۔ اگر میں اس مسئلہ کا قائل ہوجاؤں تو استاد تسلیم کی جانشینی کا خطاب حسرت کی نذر کردوں۔ بہر حال کہ حسرت نے رنگ تسلیم کی تقلید نہیں کی ہے بلکہ اس شخص سے مومن کے رنگ کی ایسی تقلید کی کہ تعریف نہیں ہوسکتی اور اس لحاظ سے یہ چراغ خاندان مومن و نسیم اور شاگرد رشید تسلیم ہیں۔

اس زمانہ انگریزیت میں کہ اسکول کی گروہ نے نیچرل شاعری کا جھنڈا بہت بلند کر رکھا ہے۔ واقفیت فن صرف چند ہی افراد کو ہو تو ہو عوام کالانعام نہیں کہ وہ حسرت کا سہل ممتنع کلام سمجھ سکیں اسلئے انکی وہ قدردانی جسکے یہ مستحق ہیں نہیں ہوئی صرف وہی حضرات صاحب بصیرت حسرت کے بیمثل کلام کو سمجھ سکتے ہیں جنکے دل و دماغ میں غالب و مومن کی شاعری بسی ہوئی ہے۔ بہر حال حسرت صاحب کو یہ سمجھکر غم نہ کرنا چاہئیے کہ

ہے دعا تسلیم اپنی عالم العلام سے ... میرا دیوان آشنائے دیدۂ جاہل نہو

افسوس حسرت کی شاعری کا آفتاب اوسوقت چمکا ہے جب استاد تسلیم کے آنکھوں کی روشنی یکگونہ زائل ہوچکی ورنہ اس زمانہ میں حسرت ہی ایک ایسے شاگرد اونکے ہوتے جنکو اون کے بیشتر تلامذہ کا کلام بغرض اصلاح دیا جاتا۔

حسرت کا دیوان بالکل مکمل ہے اور اوسکا جزو اعظم اردوئے معلی میں مطبوع ہوچکا ہے۔ تالیفات حسرت میں شرح دیوان غالب بھی ایک معقول کتاب ہے۔ قدیم شعرا و اساتذہ کے اکثر دواوین کا انتخاب کرکے

دوبارہ اونکو زندہ کرنا حسرت کا معمولی کام ہے۔

حسرت کی پرائیویٹ حالات کی اطلاع مجھکو بالکل نہیں ہوئی اس لیئے کہ وہ بوجہ وارستہ مزاجی کسیکو باوجود دریافت بھی کچھ لکھتا نہیں چاہتے۔ اکثر انکی سوانح نگاروں سے ایک نوجوان۔ اور چلبلی طبیعت کا آدمی لکھا ہے۔ مگر کلام پر غایت پیرانہ سالی پرستی ہے۔

انکے کلام کا اندازہ ان اشعار سے ممکن ہے۔ ہندوستان کے تمام گوشے کے شعرا اگر جمع کیئے جائیں تو شاید دو چار اس طرز کے کہنے والے نکلیں۔ اس شخص کو اگرچہ اسے مزار مومن کہئے تو زیبا ہے۔

کلام حسرت

ہے ایک در پیر مغاں تک تو رسائی ... ہم بادہ پرستوں کا کہاں اور ٹھکانا

طعن احباب سہے سرزنش خلق سہے ... ہمنے کیا کیا تری خاطر سے گوارا کیا

ابھی الفت کا یقیں ہوا ونکے ابھی امید ... ہوں یہ دونوں صورتیں ہیں ہمارا انتظار

فرقت ساقی میں ہم حسرت کتنا بادہ سے ... ملکے رویا خوب ابر نوبہار ابکے برس

مرے اصرار مضطر سے نہاں تھی میری بیتابی ... ترے اقرار آسمان سے ترا انکار پیدا ہے

دل بیقرار باشدفا کا ہے بہلانا مشکل ... ہمنے یہ اونکے تغافل کو سنا رکہا ہے

کتنے بال اپنے جو بہولو نہیں بسار کہیں ہیں ... شوق کو اور بہی دیوانہ بنا رکہا ہے

کہتے ہیں اہل جہاں رنج محبت جسکو ... نام اسیکا دل مضطر نے دوا رکہا ہے

حسرت کے اوس رنگ کے اشعار قلم انداز کرتا ہوں جنکو اون کے ہمعصر تادیلات میں داخل کرتے ہیں۔ اور بوجہ پیچیدگی بیان اون ترکیبوں کو غایت تدبوحم ٹھہراتے ہیں حسرت مجسم اخلاق نے اپنے غایت اخلاق کا ثبوت اوس مشاعرہ علی گڑھ کے ذریعہ سے دیا ہے جسمیں اوستاد تسلیم اور حضرت مجروح کو شریک کیا تھا ہندوستان کے اس آخری مشاعرہ کے بعد کوئی ایسا مشاعرہ نہیں ہوا جہاں غالب و مومن کے ایسے آخری یادگاروں کی

شرکت ہوئی ہو۔ وہ گروپ جو اس مشاعرہ کے متعلق لیا گیا تھا جبکو اپنی برعرش علی جنتری سے بھی شایع کیا ہے حسرت ہی کی معرفت تیار ہوا ہو سکا۔ کو مرحوم میر مجبور کی آخر وقت میں زیارت ہو گئی۔

حاجی محمد اسمعیل خاں صبر رامپوری

رامپور کے باشندے ہیں انکی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ سو ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی جاگیر کی آمدنی ہے۔ تازہ شاگردان تسلیم میں یہ نہایت پر گو معلوم ہوتے ہیں۔ حیات تسلیم مطبوعہ لاہور کا زمانہ تو زیادہ گذرا دو تین سال کے اندر کا بھی کوئی گرامی نامہ تسلیم ایسا نظر افروز نہیں ہوا جن میں انکا ذکر ہو۔ یکایک ۱۹۱۶ء میں یہ نمایاں ہوئے اور اکثر جواب خط بعوض استاد کے انکے قلم سے بھی آئے۔ انکے مختلف خطوط سے یہ عبارت اقتباس کیجاتی ہے۔

(از خطوط بلبل تسلیم)

مخدومی مکرمی جناب بھائی عرش صاحب دام الطافکم۔ میرا دیوان مرتب ڈیڑھ سال سے قبلہ و کعبہ استاد صاحب کے پاس رکھا ہے۔ ہنوز اصلاح کی نوبت نہیں آئی۔ جب کسی قدر نظر کام کرتی تھی اوسوقت ملاحظہ نہیں فرمایا اب ضعف بصارت کے عالم میں کئی مرتبہ عرض کیا کہ صرف حضور پانچ چار غزل روز سن لیا کریں اسکی بھی نوبت نہیں آئی حالانکہ شب و روز خدمت میں حاضر رہتا ہوں۔ صرف ایک مثنوی خون حسرت جو چھپ چکی ہے اول سے آخر تک دیکھی تھی (یہ مثنوی خاکسار کے پاس صبر صاحب نے بھیجدی ہی بے عیب ہے) اور ایک خمسہ نگارخانہ خسروی اصلاح سے مزین ہوا ہے یہ بھی چھپ چکا ہے۔ (یہ بھی اچھا ہے) دوسری مثنوی عشرت جشید حضور پر نور والی رامپور کی سالگرہ کا حال اور میلے کی تعریف میں ہے اول سے لیکر آخر تک استاد نے دیکھی ہے یہ عنقریب منجانب ریاست سرکار شایع ہونے والی ہے چھ مہینے سے جب کوئی غزل طرح شہر کے مشاعرہ کی غرض

سے عرض کرتا ہوں یا بیرونجات کے گلدستوں کے واسطے کہتا ہوں صرف بہت کہنے سے سخن لیتے ہیں بے اصلاح بے اطمینان درج گلدستہ ہوتی ہے۔ بہ سبب کمزوری و پیرانہ سالی اون کو مجبوری ہے اور اپنا استقاضی ہونا بے ادبی میں داخل ہے۔ اوستاد کے پاس اب جن حضرات کا کلام آتا ہے سب میری نظر سے گذرتا ہے میں ہی پڑھکر سناتا ہوں۔ جو فرماتے ہیں بیت بی اصلاح کے طور پر لکھدیتا ہوں۔ (واللہ اعلم بالصواب) کئی سال سے میں نے کوئی غزل حسرت موہانی کی نہیں دیکھی میں ہمیشہ اپنے جلیل اوستاد پر اپنا ہونا کو باعث فخر جانتا ہوں اور آپ کو بھی اسلئے شاگرد ہیں میرے مخدوم مکرم ایسا مجھکو آپ ایک ادنے نیازمند تصور فرمائیں۔

راقم الحروف محمد اسمٰعیل خاں صبر ۱۹ فروری سنہ ۱۹۱۱ء

(از بلبل تسلیم)

مخدومی و مکرمی جناب منشی ضمیر الدین احمد صاحب عرش دام الطافکم تسلیم نیاز آپ کا خط جناب اوستاد کے پاس پہونچا۔ میں نے پڑھ کر سنادیا۔ فرماتے ہیں کہ میں اب تندرست ہوں خاطر جمع رکھو۔ اپنے متعلق اونکی تحریر گرامی دیکھ کر بیحد خوشی ہوئی کئی بار سر پر رکھی اور آنکھوں سے لگائی حسب الحکم غزلیں طرح بدایوں کی روانہ کرتا ہوں آپ کی دعا سے اوستاد کے صدقے میں ان پانچ غزلوں پر میری لیاقت سے زیادہ تحسینیں دادیں۔ تمام حاضرین بزم سخن نے قدر افزائی فرمائی۔ بلکہ ساکنان بدایوں نے اس ناچیز کو انتخاب میں اول نمبر دیا اور تمام بدایوں کے شعرا نے اتفاق سے یہ کہا کہ یہ غزل اول نمبر کی ہے۔ اگر آپ کی رائے ہو تو ان اشعار پریشان سے چند شعر منتخب کر کے کسی اخبار میں درج کرا دیجیے۔

دیوان مرحوم تسلیم کی سوانح عمری میں جو دست اندازی صادق صاحب کی جانب سے آپکے متعلق کی گئی ہے محض بے بنیاد ہے۔ وہ سوانح عمری

منشی نایاب خاں صادق سے اوستاد کو سنائی تھی استاد نے فرمایا
تھا کہ یہ لکھنے کی ضرورت نہیں (ظاہر ہے کہ حیات تسلیم سے یہ ضرورت پوری
ہو چکی تھی) جب انہوں نے یہ کہا کہ میری خوشی ہے تو فرمایا کہ اچھا (یہ گویا
لحاظ اس کا تھا کہ پرائیویٹ سکرٹری صاحب کے یہ مصاحب ہیں) آپ
اسکا غم نہ کریں (وغیرہ وغیرہ)

صبر از رامپور

ازبلبل تسلیم — قبلہ و کعبہ اوستاد تسلیم نے اس کمترین کو بلبل تسلیم کا
خطاب مرحمت فرمایا ہے شاید کمال دہلی کے پرچہ میں شائع ہو لالہ
پیارے لعل صاحب رونق دہلوی آئے تھے انہیں اوستاد نے فرمایا
کہ میں نے صبر کو بلبل تسلیم کا خطاب دیا ہے تم اوسکو پرچوں میں درج
کر دینا۔ آپ مرسلہ غزلیں اگر وسیع اخبار فرمائیں تو یہ بھی درج کرا دیں۔

اس خطاب کے اعلان کے ساتھ ساتھ صبر نے احسن مارہروی
کے شعروں پر اعتراض شروع کیا ہر چند کہ وہ اعتراض بالکل صحیح
تھے جسکو بذریعہ رسالہ اظہار الحسن انہوں نے ثابت کیا ہے مگر
افسوس کہ نظم اور غیر مناسب فقرے [illegible] اونکی بے قدری کی بلبل تسلیم
بھی انگشت نما ہوئے اور وہم آخر [illegible] الشعر استاد تسلیم کو بھی ندامت حاصل
ہوئی۔ اگر صبر اپنے رنگ کلام پر قناعت کرتے تو ایک زمانہ میں وہ خود
واجب التعظیم ہو جاتے۔ اہل بصیرت اونکی مناسب قدر کرتے مگر
یہاں اونکی قدر دانی تو بالاطاق [illegible] رسوائی جناب تسلیم کو ہوئی اور
شاگردان داغ نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر اعتراض کرنا شروع کیا
جو صبر کے شاگردوں کے برابر بھی نہ تھے۔ بیشک جدید تازہ تلامذہ تسلیم
میں انکی طبیعت بہت ہی مضمون رس واقع ہوئی ہے اور کہیں کہیں
تسلیم کے رنگ کی جھلک بھی موجود ہے۔ وہ اس پر آشوب زمانے کو
آنکھیں کھول کر دیکھیں اور طریقہ [illegible] بعنوان مزاج اوستاد سے ہاتھ سے

جانے نہ دیں۔

ضمیر صاحب کو جو کفش بردار قدیم خاک پائے تسلیم کا سمجھا ناشاید کچھ گراں ہو تو اسکو للہ معاف فرمائیں اسلیے کہ سوانح نگار کو دیانت دار ہونا چاہیئے۔ ہندوستان کے اکثر پرچے اس لاطائل بحث سے جو بھرے ہوئے نظر آتے ہیں تو ہمکو بیحد صدمہ پہونچتا ہے کہ افسوس مانہ جسپر معترض ہے وہ سکے نہ حواس ہی بجا ہیں نہ آنکھوں کی روشنی باقی ہے۔

کلام ضمیر یادگار مشاعرہ بدایوں

یاں دکھاتے چشم گریاں جوش طوفانی مجھے | ابر گوہر بار سمجھے ہے پھیرنا پانی مجھے
وحشت میں بھی نقشہ ہے کیا کیصورت ہوں نیا | گھیرے رہتی ہے ہر اک جانب سے ویرانی مجھے
حشر تک کروٹ نہ بدلی دفن ہو کر قبر میں | اسقدر حاصل ہوئی مرکر تن آسانی مجھے

شعر تو یہ کہا ہے سو واقعی اگر ضمیر کو تسلیم کی شاگردی حاصل نہ ہوتی تو حشر تک اون سے ایسا شعر نہ ہو سکتا تھا۔

کیوں نہ کر تکلیف رکھتا وہ نقش کف پا کر مری | دامن بسکی اُڑ کے خود وحشت بیابانی مجھے

ضمیر سچ پوچھو تو تسلیم سخنور کا ہے فیض
ورنہ کب ملتی ہے مہلت بہر فن دانی مجھے

تیر نظر سے عمر رواں میری کم نہیں | وہ چال چلتی ہے کہ نشانِ قدم نہیں

واللہ واہ نہیں ہو سکتی۔ خدا انھیں سلامت رکھے سخنور رہو آباد رہو۔ خدا جانے کس عالم میں یہ مطلع کہا۔ یہ البتہ ہمارے اوستاد کا رنگ ہے۔

کٹ جائے سر مرا مجھے کچھ اسکا غم نہیں | مرنے کی بات یہ ہے کہ خنجر میں دم نہیں
تصویر میں بھی ہیں وہی سب نقش بیاں | اک بات کی کمی ہے مگر اسمیں دم نہیں
جتنا کہ شمع رو دی ہے پروانے کیلیے | ہمکو کسی کے مرنے کا اتنا بھی غم نہیں

حبس دل ہی اپنا۔ تار و نکا یارا نہیں رہا
جاتی ہے جان جائے۔ کچھ اسکا ضمیر غم نہیں

منشی بشیر احمد وفا رامپوری - یہ اہل تلامذہ تسلیم میں ہیں بعد خانہ ویرانی اوستاد تسلیم کے یہی وہ سعادتمند شاگرد ہیں جو اوستاد تسلیم کو اوس وقت اپنے گھر اوٹھا لے آئے تھے جب وہ ہیضہ میں مبتلا ہو کر قریب المرگ ہو چکے تھے عرصہ تک اپنے ساتھ رکھا اور خدمت کی - شعر بھی بہت خوب کہتے ہیں مگر افکار دنیا سے مشق اور تکمیل فن کا موقع نہیں ملا - کوئی شعر انکا یاد نہیں اوستاد تسلیم نے اونکا ذکر اکثر کیا ہے -

منشی اعزاز الدین اعزاز - مہتمم گلدستہ حدیقۂ حامدی رامپور و ہمشیرہ تلامذہ تسلیم سے ہیں صحبت یافتہ اور اہل ہیں - جس زمانہ میں یہ گلدستہ جاری تھا میری اور انکی غزلیں ہمراہ اوستاد برابر چھپا کرتی تھیں - نعت گو ہیں اور اس ذریعے سے خدا نے دونوں عالم میں اونکو ممتاز کیا ہے - فارغ البال ہیں -

کلام اعزاز متعلقہ نعت شریف

حسرت ہے الٰہی کہ دم نزع سراسر | نقش قدم سید والا پہ وطن ہو
محشر میں شفاعت پہ یہ فرمائیگا خالق | تم خلق کے مختار ہو دیدو جسے چاہو
روز و شب کو حقیقت میں شہر کہتے ہیں | آپکے گیسو و رخ کا یہ اثر دیکھتے ہیں

ہمارے دیرینہ روشناس امن کا گلدستہ نظر امیر مینائی میں بہی ممتاز تھا اوس زمانہ میں داغ - و امیر سب رامپور میں موجود تھے اور ان لوگوں کا کلام اوسمیں اکثر چھپا کرتا تھا -

سید عطا کریم عطا - یہ خاص باشندہ بہار شریف ہیں - عمر پینتیس سال کی ہوگی - آدمی ذی علم صاحب تمیز و صاحب فن ہیں اوستاد تسلیم نے انکی نسبت اپنے گرامی نامے میں یوں لکھا ہے - (گرامی نامہ تسلیم)

محبی و مشفقی زاد عنایتکم بعد سلام سنت الاسلام کے مظہر مدعا ہوں کہ یہانطرح خیریت ہے اور صحت و عافیت آپکی ایزد تعالے سے چاہتا ہوں آپ کا کارڈ جوابی آیا حال معلوم ہوا - دیوان آپکا دیکھا اور کچھہ باقی ہے

انشاء اللہ اس ہفتہ میں دیکھ لونگا - مگر اوسکی روانگی میں تردد ہے کہ اکثر
غزلیں دوسروں کو بھیجیں مگر اون کو نہیں پہونچیں شاید ڈاک کی نذر کیا جاتا ہے
تین غزلیں سید عطا کریم عطا کی بہار بھیجیں وہ نہیں پہونچیں شکایت آئی ہے
اور رامپور کے گلدستوں کے مشتق لوگوں نے اور دیگر گلدستے والوں نے اسقدر مجھکو
پریشان کیا کہ میں نے شعر شاعری قطعاً ترک کر دی ایک مصرع نہیں کہتا
اور ہمارا وہ ہے کہ اس فن کا نام لوں اکثر دوست آشنا و اہل گلدستہ ناخوش
ہو گئے (آپ شاگردوں کو بھی دوست ہی فرماتے ہیں) میں نے کچھ پروا
نہ کی کہانتک زندگی پر تلخ کروں اب ہمارا زمانہ مرنے کا ہے یا ہرزہ خیالی کا

رقیمۂ الوداد محمد امیر اللہ تسلیم از رامپور ۱۰ نومبر ۱۹۰۶ء

سید صاحب شرفائے بہار میں ہیں مگر شاعری انکی بصورت مخفی ہے گیا
میں ایک بار آئے تھے اور جیسے ہی ملے تھے ایک عزیز انکے مولوی منظور
احسن صاحب نے انکی خاطر سے ایک مشاعرہ آبگلہ کے محلہ میں جو اسکے مضافات
میں بصورت ترحیب ہے کیا تھا اور مجھکو بھی بلایا تھا - سید صاحب نے بڑی
توقیر کی تھی اور مجھکو چاہا تھا کہ اوستاد کی آبرو بڑھانے کو مقطع مشاعرہ کیا تھا
اسمیں گیا کے تمامی چیدہ شعراء شریک تھے - اسکے بعد سید صاحب
بہ چند بار آئے مگر مجھسے نہیں ملے نہ خبر دی عجب نہیں کہ دیوان تیار ہو مگر غزلوں
کو چھپواتا گنا جانتے ہیں طبیعت نہایت رنگین واقع ہے اور رنگ تسلیم اسمیں
موجود ہے - صوبہ بہار میں اب بجز انکے کوئی اچھا شاگرد جناب تسلیم کا باقی
نہیں - ایک مطلع انکا مشہور ہے -

عطا بہاری سے

ہم نو روز ان جنوں لالۂ صحرائی کا ۔ عرس جنگل میں ہے شاید کسی سودائی کا

مولوی نظیر حسین نظیر - یہ صاحب بھی باشندگان بہار میں ہیں - خوشنما
آدمی ہیں طبع رواں رکھتے ہیں ابتدا میں مولانا شوق نیموی کے شاگرد و تسلیم کے
شاگرد رہے پھر اوستاد تسلیم کے شاگرد ہو گئے ۱۵ ویں مشاعرہ سے

جس میں نقطا و چوں کے ایسی کھودا عرصہ ہوا تھا کہ بار کے ایک مشاعرہ میں پڑھی تھی مگر
ہوتے تھے - داغ کے رنگ سے طبیعت انکی ملتی جلتی ہوئی ہے - استاد تسلیم
نے اپنی ایک تحریر میں انکی اصلاح کا ذکر فرمایا تھا کہ یہ شعر یاد نہیں

حسن افضل بدر بدایوں کے رہنے والے ہیں اپنے کو جناب تسلیم کا شاگرد
کہتے ہیں

اس زمانہ میں اسی سبب سے تاریخوں کی قدر باقی رہی ہے کہ لوگ بے سمجھے
بوجھے تعریف کے پل باندھ دیتے ہیں - اور آداب و القاب اور خطابات کو نوبت
پہنچنے ہر وقت صاحبان مطبع کی طرف سے بڑا ہی کرتا ہے - استاد
تسلیم کا دیوان دوم جب مطبع نامی میں مطبوع ہوا تو بدر صاحب کو شاگرد
رشید رقم کیا اور مجھ پر کاتب نے ایک عجیب عنایت کی - یوں تو صدہا
غلطیاں کتابت دیوان میں موجود ہیں مگر ہماری تاریخ کی اصلاح میں کوئی بات
اٹھا نہیں رکھی - عرش سے

کہی منقوط میں تاریخ ای عرش یا ؛ کہ زیبا آسمان نظم و نکہش

اسکی مرمت یوں کی گئی ہے کہ سہ

کہی منقوط میں تاریخ ای عرش ؛ مزین آسمان نظم و نکہش

مزین بمعنی مزین جو کاتب مطبع ہذا نے قرار دیا ہے عقل کی سلامتی ہے اور
اور مزین لغوی صورت میں جسقدر صحیح ہے وہ بھی اظہر من الشمس -

بدر صاحب کی اکثر غزلیں صحیح ہوا کرتی ہیں اور خصوصاً اکثر آتے ہیں
مضمون یاد آ رہی ہوں - کوئی شعر انکا یاد نہیں - اسکے علاوہ چند تفسیر
مشہور تلامذہ کی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے -

قدرت علی خاں قدرت - احمد علی خاں فوجداری رامپور - کلام انکا خود
ظاہر کر دیگا کس پایہ کے ہیں -

کلام قدرت

تیری شمشیر سے کیوں کہ چلے خنجر ابرو ترا
ہم تمہیں کیسے تڑپتے ہیں سو الطف جفا

وہ تیرا جو چلی اگر آجائے چمن میں
پھٹ کسطرح رنگ گل غنچہ ہوا ہو

انصاف سے کہتی نہیں یہی داد طلب شمشیر
رنجش ہو تو کم ہو جو الم ہو تو سوا ہو

خون ہو کیوں کیونکر نہیں کہ خسرو جو بلا
ہم وہ نہیں دریں پابوس خدا ہو

کیوں بیٹھے ہو سر اپنا جھکائے ہوئے قدرت
وہ غیر کا دم بھرتے ہیں تم اور کو چاہا ہو

افسر — جناب احمد حسین خانصاحب — اپنے کو تسلیم کا شاگرد بتاتے ہیں کلام یہ ہے —

میری میت پہ کسی کے سوا
نوحہ گر کوئی دوسرا نہ ہوا

فتنہ پرداز — پر دغا — ظالم
تجھسا دنیا میں دوسرا نہ ہوا

تجھکو سوا ایک تباہ کیا
پھر یہ کہتے ہو کچھ برا نہ ہوا

مرگ پر بھی مٹی تمنا کی
افسر اوسکا نقش پا نہ ہوا

محمد اکبر — شمشیر الملک عدالت دیوانی — حبیب اللہ خاں حبیب — خلیق الرحمن کلیم — عبداللہ اللہ متعلقہ سو پرنٹنڈنٹی — لالہ گنگا پرشاد و شیدا — غلام حضرت خاں حاذق — آخر الذکر شاگرد کا کلام کمال دہلی میں آجکل چھپتا ہے انکے شعروں سے انکا پایہ بلند معلوم ہوتا ہے خبر نہیں واقفیت فن کا کیا حال ہے — راقم کی کالج الور کے پروفیسر ہیں —

کلام حاذق

چار و طرف ہے جلوہ حق کا ظہور ہو
پھر کیوں خصوصیت کوہ طور ہو

جنت شراب محبت میں چور ہو
کیا اوسکو آرزوی شراب طہور ہو

گو امید ایک بار پھر لیے اونکی مخالفت ہی کی ہے مگر ذیل کے چند شعروں نے مجھکو یہ مان لینے پر مجبور کر دیا کہ یہ تسلیم سے اچھے تلامذہ میں معلوم

ہوتے ہیں ـ

اب تک نہ ختم عمر ہوا انکا سفر ہوا رہرو کا کیا گناہ جو منزل ہی دور ہو
ضبط الم ہے شرط محبت و گریہ میں چیخوں تو دم بخود رہے نالوں کو صور ہو

قطعہ

تسلیم کو جو آج نہ مانے امام فن جا ذوق نہ اوسکو شعر و سخن میں شعور ہو
مٹی خراب شعر کی کرتا ہے وہ جسے تمیز قافیہ ہو نہ علم بحور ہو

علاوہ اسکے ایک گرامی نامہ میں نبی علی گشتہ کا ذکر تھا اور معلوم ہوا کہ مدراس اور الہ آباد میں بھی بہت سے شاگرد جناب تسلیم کے ہیں مگر خبر نہیں کب کرتے ہیں باوجود اعلان کسی نے کچھ نہیں لکھا – اور اوستاد تسلیم کا تو قدیم قول ہے کہ میں اس زمانہ میں اپنا شاگرد کسکو بتلاؤں البتہ شعرائے نوشق ہمن کا والا ہوں – رامپور کے نوشقوں سے ناک میں دم ہے معلوم نہیں رامپور کے وہ کون سے نومشق ہیں جنکی تصیر صاحب نے بھی خبر لی ہے کہ جھوٹے دعوے سے وہ لوگ باز آئیں

اسیر آتی ہے مجھکو شرم اس محفل میں کچھ پڑھتے کہیں ناصر ادھر اور کامل یہاں ماہر فن کے بیٹھے ہیں

ان تلامذہ ناصر اور اہل فن کے آگے اپنا ذکر کرنا سورج کو چراغ دکھلانا ہے اس لیے کہ میں ان تمامی حضرات میں کمتر اور حقیر ہوں اور شاگرد تسلیم کہے جانے کا مستحق نہیں – البتہ دعوائے کفش برداری ضرور ہے اور اسی لحاظ سے اوسکے غلامان باصفا میں بغرض یادگار حیات مستعار اپنا نام بھی درج کیے دیتا ہوں – اب مفصل حالات کے رقم کو ایک دفتر کی ضرورت ہے مگر مختصر

تصیر الدین احمد عطر – بکاسته اجداد و مضافات صوبہ بہار کے رہنے والے تھے از ابتدا تا زمانہ والد مرحوم کسی نے بجز زمینداری کسی قسم کی ملازمت کی تمنا نہ کی تھی – البتہ والد منشی بندہ علی مرحوم ترک وطن کرکے گیا میں آئے اور یہاں وکیل ہو گئے ہوئے حیثیت کشیدگان – بنگلہ – باغ – گھوڑا گاڑی

تحائف قسم قسم کے سامانِ امارت حاصل کیے مگر ہنوز وقف اونکا ناتمام تھا
علیل ہوگئے اور تقریباً چھتیس ۳۶ سال کا زمانہ صاحبِ فراش رہ کر گذارا
یہانتک کہ بغیر دوسرے کے کروٹ بدلنا محال تھا۔ ہندوستان کے
ہزاروں حکیموں ڈاکٹروں کا علاج کیا کچھ کارگر نہوا۔ آخر زمانہ میں فقرا
اور بزرگان دین کے مزاروں سے حاجت روائی چاہی۔ اجمیر شریف
دہلی۔ اور دیگر مشہور مقامات میں چلہ کش رہے۔ اور فقرا اور اہل دل
کو جس طرح ہو سکا خود پہونچے اور اکثر کو مہمان کیا مگر یہ بھی بیکار نکلا آخری
درخواست حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کے حضور میں کی خود گنج مرادآباد شریف
تک تو جا نہ سکے مگر نادر تحفہ کے ساتھ اکثر لوگوں کو بھیجا حضرت نے فرمایا
کہ میں اون کے خاتمہ بالخیر کی دعا مانگتا ہوں اور کوئی خواہش فضول ہے
غرض اس ذریعہ سے اسرار ربانی اور حکم خداوندی کا پتہ مل گیا۔ اسکے بعد بالکل
متوکل ہو کر بیٹھ رہے۔ اس سارے زمانہ میں لاکھوں روپیہ صرف
کیا اور تقریباً ایک لاکھ روپیہ علاقہ پر قرض بھی ہو گیا یہانتک کہ
۲۰ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کو انتقال فرمایا۔ گیا محلہ ڈبلیہ کے ایک
خاص باغ میں جہاں عمر کا آخری حصہ گذرا تھا اب بھی آرام فرما رہے
ہیں یہ تاریخ وفات ہے

دار ہستی سے والد مغفور ؛ چھوڑ کر ہائے ہمکو آج گئے
مصرع سال انتقال ہے عرش ؛ آہ باغ ارم کو آج گئے

بیٹا دم مرگ نہایت نصیر دوست اور پابند صوم و صلوٰۃ رہے سخاوت
کی بدولت گیا والوں میں سب سے زیادہ مشہور و ممتاز تھے۔ گورنمنٹ
کی نگاہ میں [illegible] ضلع کے بڑی آنریری [illegible] مرحوم انجمن اسلامیہ
گیا کے سکریٹری بھی تھے۔ ایک کثیر آمدنی [illegible] بھائی اور
ایک بہن جنکا انتقال بنارس سے واپسی پر ہوا جن سے دیکھ

ہوا تھا اور یہ دردناک واقعہ نسیم الاخبار بنارس میں درج ہو چکا ہے) اوسکے
مالک تھے۔ بدنصیبی سے بھائیوں میں نفاق ہو کر گھر بالکل مٹ گیا۔ مہاجنوں
نے تعلقہ کا تعلقہ کوڑیوں کے مول نیلام کرا کے لے لیا یہانتک کہ نوبت
ملازمت آئی ہے۔ دو بڑے بھائی ہیں ایک مولوی امیر الدین احمد پنشنر
تحصیلدار ... گیا۔ دوسرے مولوی نظیر الدین احمد ہڈ اسٹور کلرک ڈی۔ ٹی۔
ایس۔ آفس ہو گیا تیسرا یہ بدقسمت جو بنارس اور مرزا پور میں امیدوار
سب رجسٹراری رہ کر اب ریلوے میں آ کر پڑا ہے۔ اور چھپ کر کسی
طرح بسر کر رہا ہے۔ عربی فارسی کی تعلیم مولوی عبد الکریم صاحب
مرحوم بھاپوشی اور مولانا محمد اسحٰق صاحب سے کی علاوہ دیگر اساتذہ کے پائی
اور انگریزی تعلیم برائے نام ضلع اسکول گیا میں ہوئی۔ فن شاعری میں ابتدا
... بیس غزلیں بزمانہ قیام بنارس و غازی پور علامہ مولانا شمشاد
... لکھنوی کو دکھلائی تھیں اوس زمانہ سے اسوقت تک متروکات کا
کا پابند ہوں۔ ایک دیوان موسوم بہ نیشکر عرش داغ کے رنگ کا مرتب
کیا۔ قافیہ سنجی و دیگر مضمون رس شعرا کی صحبت میں وہ دیوان ناکام
ہوا یہانتک کہ پھاڑ ڈالا۔ دوسرے دیوان کی ابتدا ناسخ و منیر کے رنگ سے
کی جب اوستاد تسلیم مدظلہ کی اصلاح کا شرف حاصل ہوا تو وہ رنگ بھی پسند
نہ آیا۔ دلی والوں کے انداز بیان اور درد انگیزی مضامین کا دلدادہ ہو گیا
یہانتک کہ ایک زمانہ کے بعد دوسرا دیوان موسوم بہ اسم تاریخی نظم نونگار
مرتب کیا یہ تمام و کمال اوستاد تسلیم کا اصلاحی ہے۔ اسی دیوان کی تاریخ
اوستاد تسلیم نے اپنے دیوان دوم میں درج فرمائی ہے۔

رہا اوج ذکر فلک سیر عرش ⁂ سراپا ہے الہام جسکا سخن
کیا جمع دیوان منتخب نظام ⁂ ہوا سرمۂ چشم اہل زمن
کہی ہے تسلیم تاریخ سال ⁂ یہ دیوان ہے نظم ارباب فن

دیگر

زہے عرش فصیحان شیوا بیاں ٭ کلامش چو اعجاز فرخ سرشت
نمود او ترتیب دیوان خویش ٭ چو گلدستۂ نو بہار بہشت
پئے سال تسلیم شوریدہ سر ٭ بگفتہ خوب و کامل دیوان نوشت

علاوہ اسکے اور اکابر فن جو اوسوقت زندہ تھے مثل نفیس صاحبزادہ
میر انیس مرحوم جناب امیر مینائی - یا داغ وغیرہ اور حضرت استاد و ظلہ
اور مرزا اشتعر صاحب اوج یادگار وغیرہ وغیرہ نے تقریظیں اور تاریخیں موزوں
فرما کر بھیجدیں جسکا اعلان اوسی زمانہ میں کر دیا گیا - مگر وائے گمنامی
کہ دیوان ہنوز غیر مطبوع ہے اور کلام اپنا آپ پسند نہیں جب دیکھتا ہوں
کچھ بنا دیتا ہوں غرض یہ مجموعہ پریشان انتظار قدر دان میں پڑا ہوا ہے -
علاوہ اسکے ایک ناول نثر نا فرمائی جو یادگار کم عمری ہے ایک دوست کی
ضد سے چھپ چکا ہے مجھے بالکل پسند نہیں - تیسری کتاب حیات تسلیم
ہے لاہور میں چھپی جسپر بطور تاریخ یہ دو شعر استاد تسلیم نے بھیجے تھے

ہو چکی حشر میں اوسکی توقیر ٭ زندگی میں نہ ہوئی جسکی تعظیم
دونوں عالم میں ہے یکساں ہمدم ٭ مرگ تسلیم و حیات تسلیم

تیسری کتاب نا مکمل صحیح محاورات اردو میں ہے جسکے اکثر اوراق خدا
جانے کہاں غائب ہو گئے - چوتھی کتاب تحقیقات فن اور بحث عروض
قافیہ میں ہے یہ بھی مکمل نہیں ہوئی - پانچویں کتاب تاریخ آگرہ و دہلی
ہے جسکا نام بارگاہ سلطانی رکھا تھا اسکا حق تصنیف لیکر اودھ پنچ کے
ایڈیٹر نے دو برس تک اپنے مطبع میں ڈال رکھا تھا اور بالآخر عذر بے
بضاعتی سے اونکے مجھکو واپس لینے پر مجبور کیا شاید اس آب و رنگ
کی تاریخ ناظرین کی نگاہ سے نہیں گذری ہوگی میں نے عرق ریزی کی
ہے - اور دو بارہ نہ سہ بارہ مسودہ میں تکمیل کو پہونچی ہے کوئی لائق اعتبار

مطبع اگر نظر آیا تو اوسکے حوالہ کرونگا چھٹی کتاب اپنا تیسرا دیوان ہے
جس میں مختلف مذاق کی غزلیں وغیرہ ہیں۔

اسکے علاوہ قومی خدمت کے لحاظ سے عرصہ تک الپنچ - لاہور پنچ
- اودھ پنچ - عملی پنچ - نیر اعظم - پیسہ اخبار - مخزن - اور دو معلی -
وغیرہ کی نامہ نگاری کی ہے اور ایک عرصہ تک اصلاح اہل وطن کے لیے
بہار پنچ کی ایڈیٹری کی اب یہ بیمار اعلی جرچا جاتا رہا - انجمن اخلاق
نامی ایک انجمن کے سکرٹری کے فرایض بھی ادا کیے مگر یہ کوئی جادو
اہل وطن پر نہ چلا اور وہ باوجود علم و دولت کے مذاق کے پسند
رہ گئے - صرف محبان وطن میں جناب بابو نند کشور لعل ایم - اے وکیل
و زمیندار گیا - اور خان بہادر مولوی خیرات احمد وکیل نے بلکہ اس ناچیز
کی قدر دانی بھی کی اور میرے قلمی خیالات اخبار میں درج بھی ہوئے اور اس -
میں سے اپنے آخری زمانے میں بغرض استحفاظ زبان ایک شاعر
خاندان مومن کی بنیاد ڈالی ہے - یہ زیر انتظام عزیزی حافظ ولایت اللہ
ابر سلمہ جنکی طبیعت ورد خیز اور مضمون رس واقع ہوئی ہے برابر ہوا کرتا ہے -
اس میں اسوقت کے نکتہ رس لوگوں میں میرے عنایت فرما اور مہربان
منشی احمد علی صاحب عشرت یادگار غالب - حکیم نبو صاحب ہلال نبارسی
یادگار غالب - شہزادہ مرزا سلطان شکوہ صاحب جاہ دہلوی
اور شہر کے نوجوان شعرا میں عزیزی منشی نجیب الدین نجر سلمہ جواب
حضرت شمشاد کے شاگرد ہیں اور ناسخ و میر کے رنگ کے شیدائی ہیں -
شیخ الٰہی بخش ایجاد - کبھی کبھی منشی وحید الدین صاحب شمیم وغیرہ اور

کہ یہ وہی ابر شاہجہانپوری ہیں جنکی غزلیں اکثر اردوے معلی میں چھپتی ہیں - یہ ہمارے قدر دان
مولوی فدا الدین صاحب نجمی وکیل کے صاحبزادے ہیں -

نکتہ فہم رؤسا میں مکرمی خواجہ حمید جان عرف پیارے صاحب اور اونکے ہونہار صاحبزادے شہزادہ میاں وغیرہ اور باہر والوں میں نواب شمس العلما مولوی امداد امام صاحب اثر عظیم آبادی - اور شفیق عمادپوری وغیرہ شریک ہوا کرتے ہیں - ان میں عشرت اور اثر کا پایہ بہت بلند ہے اور میں جسقدر ان اصحاب کا شکریہ ادا کروں کم ہے سرتاسر مشاعرہ جو تعمیر اس ناواقف فن کی یہ اصحاب فرماتے ہیں اوسکا اظہار چھوٹا منہ بڑی بات ہے -

ارباب وطن کی ناقدردانیوں کا رونا ہر شخص کے ساتھ رہا ہے یار و نکی غیبت اور بدگوئی کی عادت جیتے جی تو جانے سے رہی ہے۔

وطن میں جوہر ذاتی کی چاہ کیا تسلیم ؎ صدف میں قدر نہیں آبروئے گوہر کی

اور کیا کہوں - جناب تسلیم کے باکمال تلامذہ کے آگے اپنے شعرونکا پڑھنا اور درج کرنا اپنے کو رسوا کرنا ہے اہل ملک کو ہر وقت اوسکے دیکھنے کا موقع ملا کرتا ہے -

اس تطویل لاطائل بحث کو تمام کرکے اپنی اولاد کا ذکر کرتا ہوں کہ محل اول سے ایک ہونہار لڑکا جلال الدین احمد تھا داغ مفارقت دیا اب صرف محل ثانی سے ایک لڑکا صغیر سن صلاح الدین احمد باقی ہے - شعر و شاعری میں نہ میں کسی کا جانشین ہوں نہ کوئی میرا سجادہ نشین - آئندہ تو ہی ہے کل کی خبر خدا جانے - سلسلہ بیعت بواسطہ حضرت مستان شاہ صاحب مدظلہ مولانا فضل الرحمٰن سے ملتا ہے -

احباب باکمال اور اہل نظر سے معروض ہے کہ اس رسالہ میں اگر کسی جگہ لغزش پائیں تو دامن عطا سے ڈھانک دیں کہ طریقہ نفوس پاک کا ہے -

وباللہ التوفیق -

سلام عقد ہمدست دوسری ڈلی کے سہ لیف خاندان میں ہوئی - محلہ دو انشی نہ مقام سکونت ہے -

غزل در شان استادی ملک الشعرا حضرت [illegible]

سوختی باغ جہاں تسلیم ہیں | بلبل ہندوستاں تسلیم ہیں
اندلیب [illegible] | غیرت [illegible] آسماں تسلیم ہیں

ہے سند طبع اقدس آپکی | موج بحر بیکراں تسلیم ہیں
تھے جو [illegible] | [illegible]

بعد اسکے شاعری [illegible] | سوختی ہندوستاں تسلیم ہیں
[illegible] | آپ ہی نام و نشاں تسلیم ہیں

وہ ہیں سب استاد میں شاگرد [illegible] | ہیں زمین [illegible] آسماں تسلیم ہیں
[illegible] | [illegible]

[illegible] امیر و داغ بھی [illegible] | صرف اک اہل زباں تسلیم ہیں
[illegible] | پیر ہو کر بھی جواں تسلیم ہیں

حضرت [illegible] استاد [illegible] عرشی [illegible] تسلیم ہیں

غزلیات حضرت عرشی [1] ملک خود از انتخاب اردوئے معلی علیگڑھ

تجھے دل باغ عالم میں [illegible] نظر آیا
کبھی اور ہی نقش [illegible] ہم آیا [illegible] پایا

ایک جھونکا [illegible] والی [illegible] پیکان ستم نے
جی ہی تو ہے اپنا جسے چاہا اوسے چاہا

اٹھ رات [illegible] صبح کے آثار ہیں ظاہر
رہنے دے [illegible] تو نے [illegible]

[illegible] سے جو اجنبی بدل [illegible] صورتیں
[illegible] بلبل کے محبت ہی [illegible]

کچھ بھی مشکل نہیں [illegible] مشکل [illegible]
[illegible] الٰہی [illegible]

اس گل میں پھول ایسے [illegible] نکھر آیا
اک اور ہی عالم [illegible] نظر آیا

[illegible] دل کا جہاں [illegible] آیا
دل ہی تو ہے [illegible] آیا ادھر آیا

[illegible] عرشی [illegible] سفر آیا
واہ [illegible] مشکل کو آساں کر دیا

تو نے [illegible] کر دیا
[illegible] باغ دہر میں گل کو نمایاں کر دیا

کیسی کیسی مشکلوں کو تو نے آساں کر دیا
[illegible] سے [illegible] کر دیا

خوب [illegible] کیا ہے کام ہمارا
کام ہمارا کیا [illegible] آخر

صورت صبح [illegible] آخر
[illegible]

[illegible] قفس [illegible]

[illegible] سلام ہمارا
آہ وہ عشق ناتمام ہمارا

دیکھ انجام و اختتام ہمارا
دوست ہے اک چراغ شام ہمارا

[illegible] نہیں وہ ہے [illegible] ہمارا

ختم

[1] حضرت عرشی نے [illegible] کیا اسلئے اس کی کو ہم پورا کر کے دیتے ہیں — مرتب

عرش کا سفر رامپور بعد انتقال استاد تسلیم

سب ہے جگہ شام ہوئی جاتی ہے جنگل ہے یہ بیاں ٭ ہائے کیا پہونچینگے منزل پہ کہ اب دن بھی نہیں

لو اب تو آفتاب عالم تاب غروب ہو گیا اوسکی نورانی دامن کی روشنی بھی اوسکے دم کے ساتھ گئی شام غربت کی تاریکی کا اثر ہر گوشہ آسمان سے نمایاں ہو رہا ہے - باد مخالف کے تیز جھونکے بزم سخن کی شمع کو بجھا ہی چکے تھے - وہ ایک طرف سے تیرہ بختی کی کالی گھٹا بھی اٹھی - ساری امیدوں پر پانی پھیرنے والی مینہ کی بوندیں بھی ٹپکنے لگیں - آہ مجھ غریب الوطن کو بے جگہ شام ہوئی جدہر نظر اوٹھا کر دیکھتا ہوں جنگل اور صحرا کا عالم نظر آتا ہے راہ منزل کا پتہ نہیں - کوئی خضر نہیں رہنما نہیں پھر یہ قہر کہ

سب کہتے ہیں تسلیم کو زندہ ہیں ابھی تک ٭ ہنسنے کی کوچے میں سنا اور کہیں سے

آہ - استاد تسلیم کی موت وہ موت نہیں ہے جسپر ایک میں اپنی عقیدت کے آنکھوں سے آنسو بہا کر اوسکے مزار پر پھول چڑھاؤں - یہ زبان اردو کی موت ہے جسکی پیدائش بلحاظ سخن عہد حاتم میں ہوئی تھی اور سلسلہ بہ سلسلہ اساتذہ سلف سے ہوتی ہوئی اوسکی عمر آپ پر تمام ہو گئی - یہ وہ مزار ہے جسپر سارے اکابر فن کی آنکھیں سچے دل سے ہزاروں برس تک آنسو بہا کر موتیوں کے ہار ہمیشہ چڑھاتی رہینگی جنت آرامگاہ نے ایک سو تین سال کی عمر میں عہد ناسخ و آتش سے اسوقت تک صدہا صاحبان فن اور ہزاروں اہل کمال کو دیکھا اور [illegible] آپ کے سامنے اٹھا - بلحاظ [illegible] فن تو [illegible] قدیم سے [illegible] ہے کہ ساری فضل بزرگی استادانہ [illegible] سلف کے اسوقت تک آپ کی ہی ذات سے وابستہ تھی -

ناظرین آج بس سفر کے موقع پر میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ

اوستاد تسلیم کی آخری زیارت کا شرف حاصل کرونگا کیونکہ اونکی علالت
کا اس پیرانہ سالی میں سلسلہ بندھا رہتا تھا یہانتک کہ حضرت اوستاد کو ضعف نے
بھی دی ہی اور بقصد زیارت میں اپنے اسٹاف اور اسباب کے ساتھ
گیا اسٹیشن پر جاکر ٹرین کا انتظار کر رہا تھا کہ دفعتاً ایک تار بلبل تسلیم
کا ملا جسمیں مرحوم کے انتقال کی خبر تھی ایک ایسے کمر بستہ مسافر پر جیسا
کہ میں تھا اس تحریر نے کیا اثر کیا ہوگا اوسکی تشریح کی ضرورت نہیں
مختصر یہ کہ حواس بجا نہ رہے اور صورت تصویر درج اپنی جگہ سے ہلنے کے کام
کا نہ تھا مگر آفرین اس ضبطِ غم پر اور اوس جوش محبت پر جس نے اس حالت
میں بھی ایسی طولانی سفر میں دستگیری کی اور میں علی گڑھ کی راہ سے
رامپور تک پہونچا۔ علی گڑھ اسٹیشن میں ہمارے قوت بازو بھائی۔ مولانا
فضل الحسن بی۔ اے۔ حسرت تخلص اڈیٹر اردوئے معلّی و تلمیذ رشید
اوستاد تسلیم کو میرا انتظار تھا۔ ان سے ملکر میں نے یہ افسانہ غم
بیان کیا جسنے حکم فرحت نشان پر لباس غم پہنا دیا۔ اور اس تھوڑی
دیر کی یکجائی میں بھی آسمانِ ستم شعار نے خوش ہونے کا موقع
نہ دیا۔ پھر بھی حسرت صاحب کی ملاقات نے اونکی برادرانہ محبت کا
پورا ثبوت پہونچایا اور جب تک میں رامپور روانہ ہو لیا وہ پاس
رہے واپسی میں ٹھہرنے کا وعدہ کیا مگر واے بخت فرصت کا وقت
ختم ہوگیا تھا حسرت کی حسرت ہی لیئے ہوئے براہ راست واپس آیا۔
حسرت خوش نواے مفارقت کے بعد میں رامپور پہونچا اور بلبل تسلیم
جناب محمد اسمٰعیل خاں صاحب تلمیذ تسلیم کو اسٹیشن سے اپنے آنے کی اطلاع
دی انہوں نے گاڑی بھیجکر مجھکو نہایت اخلاص کے ساتھ اپنا مہمان
کیا۔ یہاں صاحبزادہ محمد [illegible] صاحب یادگار اوستاد مرحوم جنکی عمر
تقریباً ساٹھ ستر سال کی ہے تشریف رکھتے تھے (تخلص بلیغ آرزو) اونکی

ولادت کی تاریخ منشی اشرف علی صاحب مرحوم شاگرد نسیم نے فرمائی تھی
گو ان کو فن شعر سے تعلق نہیں مگر دیرینہ کرمفرما تھے عنایت شفقت سے
پیش آئے اور گلے لگایا۔ صاحبزادہ صاحب کی صورت اور سیرت پر
استاد تسلیم کا صاف دھوکا ہوتا ہے خدا آباد رکھے سلامت رکھے۔ فرمانے
لگے کہ تو اسوقت آیا جب والد صاحب چل بسے۔ کہتے تھے کہ ڈیڑھ مہینہ
قبل انتقال کے لکھنؤ آنکھوں کے بنوانے کی غرض سے تشریف لے گئے
تھے نشتر گہرا لگ گیا اور غذا ہی ترک ہوگئی صرف پانی کے سہارے
چند دن زندہ رہکر ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء پانچ بجے شام کو اس دار فانی کو
رخصت ہو گئے۔ (چونکہ قدرتی طور پر آفتاب عالم تاب کے غروب
ہونے کا وقت بھی آچکا تھا اس لیے آفتاب سپہر سخنوری نے بھی اوقت
اپنا منہ دامن ظلمت عدم سے چھپالیا۔) آپ محلہ تال کٹورہ خداداد جاہ
باغ میں سکون پذیر ہوئے۔ باغ کی خصوصیت میں بھی ایک نکتہ تھا۔
حضرت استاذ الاساتذہ نواب اصغر علی خاں نسیم بھی لکھنؤ ہی کی
خاک پر پاؤں پھیلائے ہوئے سو رہے ہیں۔ اور آخر زمانہ میں اشارہ
فرما گئے تھے کہ

بند از مخمس تسلیم

شوق پابوسی استاد اگر ہے تسلیم ⁂ چل سوئے گل وہیں ہو کے کسی عالم میں مقیم
کہہ گئے ہیں دم رخصت جان وقت نسیم ⁂ طوف ہر نخل کرینگے صفت گرد نسیم
ہم پس مرگ بھی قربان گلستاں ہونگے

افسوس کہ صاحبزادہ صاحب نے عدم مذاق کے باعث استاد
تسلیم کی آمد اور انتقال کا کوئی ذکر طبقہ شعرائے لکھنؤ میں نہیں کیا
ورنہ جنازہ کے ساتھ خدا جانے کتنا بڑا ہجوم ہوتا۔ اہل لکھنؤ کو کمال حیرت
ہے کہ یہ واقعہ لکھنؤ میں کب ہوا اور کس طرح ہوا۔ خیر اب یہ رونا بیکار
ہے ع۔ آن قدح بشکست وآں ساقی نماند۔ دعا ہے کہ خدا مرحوم کو جوار رحمت

میں جب ... اور صاحبزادہ صاحب جو آخری پارٹی ... استاد وہاں ...
نسل کو ... سے اپنے مرحوم شفیق ڈاکٹر ... پنشن کو ریاست سے پایا
کرتے ہیں - یہاں خصوصاً چند باتیں اور عرض کرنا پڑی ہیں - استاد مرحوم کا کلام
[illegible] ... پوری طرح ... ٹھیک ... جس ...
[illegible] ... کے شاگرد مولوی ...
[illegible]
[illegible] ... مرحوم سے ...
بڑی محنت سے بنایا ہے اور کچھ ... اشعار ... ذرا سی ... کی
... تصویریں کھنچی ہیں ... گذرنے کے بعد جناب ضمیر صاحب کے یہاں
... احباب کی خدمت سے رموز سخن و عروض و قوافیہ
کی بحث میں ایک ایسا ... رسالہ ... تیار کرنے کی
کوشش فرمائی تھی ... جواب ... سلف ... اس وقت تک ممکن نہیں
... کو ... حضرت ضمیر صاحب ...
میں اکثر ... حضرات کے یہاں ... اور ...
رہ گئیں - ... میاں قدرت علی خاں قدرت کے حصے
میں آیا جو نام کو حضرت استاد کے شاگرد تھے

مولوی شفیق الرحمن صاحب کلیم نے کہا کہ لکھنؤ جانے سے چند دن پہلے
اکثر حضرات نے استاد سے عرض کیا تھا کہ ... میری ...
گیا ہے تو ... تسلیم فرمایا

جوانی سے زیادہ ... پیری جوش ہوتا ہے ... کہتا ہے چراغِ صبح جب خاموش ہوتا
سبحان اللہ ایک تین سال کی عمر میں اور یہ کلام - اللہ اکبر

حضرت ضمیر فرماتے تھے کہ استاد نے علاوہ تاریخ بدیع کے ایک
مخفی حالاتِ دربار میں بھی کتاب لکھی تھی - جو ریاست میں لال کتاب کے

تاہم سب سے ہو سکتا ہے کہ اس وقت حضرت الطاف الدین خاں صاحب کے قتل کا واقعہ اور ظہیر
طرح سے ہم تک یہ واقعات کی اطلاع ہے جس وقت نواب صاحب کی خدمت
میں پہنچا ہی تھا سب پہلی بیان ہوئی ان کی انگشت بدنداں ہوئے اور پوچھا تسلیم کیا
ہوا تسلیم ہی نے بیان کیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا … ازل سے
… حضرت … خاص لوگ … صاحب
… کبھی دعا وغیرہ کیا کرتے ہیں … اور
سمجھتے نہیں

مرحوم تسلیم اپنی عقیدت استاد کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ
مجھکو آج تک جناب نسیم سے روحانی فیض پہونچا کرتا ہے ایک مرتبہ
خواب میں دیکھا کہ وہ کسی گہرے کنویں سے پانی بھر رہے ہیں اور ڈول
اسقدر گراں ہے کہ کھنچتا نہیں آپ نے پکارا کہ تسلیم تو اسکو کھینچ
آپ نے اسکو جاکر نکالا فرمانے لگے کہ یہ کنواں اس دشواری سے نسبت
رکھتا ہے۔ استاد تسلیم جناب نسیم کا فاتحہ اکثر دیا کرتے تھے اور تا دم
مرگ روحانی فیض اسی طرح پر حاصل کرتے رہے۔

آپ کے احباب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حبیب عبداللہ خاں مہر کلکتہ کی
مشاعرہ جیت کر آئے تھے لیکن جنت مقیم کے یہاں اکثر تلامذہ نسیم یکجا
ہوئے تھے یعنی منشی اشرف علی صاحب اشرف میرزا محمد بیگ عاشق
عبداللہ خاں مہر۔ نواب محمد تقی خاں۔ حضرت تسلیم وغیرہ سبھی تھے
نسیم نے اپنا یہ مطلع پڑھا

زخم اچھا ہے دشمن کی پریشانی پہ ۔۔ زخم رو دیتے ہیں شمشیر کی عریانی پر

سننے سے بے اختیار داد دی اور سب کے سب جھومنے لگے استاد
تسلیم بھی داد دیتے تھے مگر اور وہ جھومتا عالم وجد نہ تھا یہ بات
نسیم کی نگاہ میں کھٹکی آپ نے تسلیم سے پوچھا کہ میں تیری نظر کھچا تا ہوں

جو کچھ دل میں ہو وہ کہو۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ حضور کا ارشاد ہے اور
خستہ دل کیا طاقت۔ مگر نسیم کا اصرار بڑھتا گیا تو آپ نے فرمایا اگر میں
کہتا تو یوں کہتا۔ ؎

زخم آجاتا ہے دشمن کی پریشانی پر
زخم خوں روتے ہیں شمشیر کی عریانی پر

خوں رونے کے لفظ نے نسیم کو پھڑکا دیا اور دعائیں دیں۔ صاحبزادہ
صاحب نسیم کے دیکھنے والوں میں سے تھے کہتے ہیں کہ نسیم کو آخر زمانہ میں کیمیا
کا بڑا شوق ہو گیا تھا منتشر ایک طرف ایسے سینکڑوں لگے رہتے تھے۔
شاگرد پکار پکار کر واپس ہو جاتے تھے۔ آخر عمر میں ایک نکاح بھی کیا تھا
جس سے ایک شوریدہ سر لڑکا تھا خبر نہیں کیا ہوا۔ عطایا نسیم کی نسبت
کہتے ہیں کہ اپنی موت سے ایک ہفتہ قبل کہہ دیا تھا کہ اب گلشن
فانی سے نسیم کی رخصت ہے عجیب اتفاق کہ روز مرگ گھر میں کوئی مرد
موجود نہ تھا اپنی بی بی سے کہا کہ چار عورتوں کی گواہی معتبر ہو گی ایک تم ہو
ایک لونڈی دو عورتوں کو باہر سے اور بلوا لو چنانچہ دو اور آئیں آپ نے فرمایا
کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں ایمان صادق کے ساتھ اٹھتا ہوں کلمہ پڑھا
اور راہی ملک بقا ہوئے۔ غرض صاحبزادہ صاحب دیر تک ایسے عجیب
عجیب واقعے بیان کرتے رہے جنکے اندراج میں خوف طوالت ہے اور غرض اصلی سے
دور ہو جانا پڑے گا۔ اس سلسلہ میں صبر صاحب کی عنایتوں سے فرصت کرکے بعد
موجودہ تلامذہ تسلیم کی بیاض و تذکرے اور کلام پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حاجی اسمعیل خان صبر المخاطب بہ بلبل تسلیم جو ایک سعادتمند صاحب
رشتہ دار صاحب اقتدار شاگرد و دوستدار تسلیم کے ہیں خاکسار کی غایت درجہ
مہمان نوازی کی جو ان کے حلقہ ارادت کی آمد کی خبر اہل رامپور کو ہو جانے پر بھی
اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک صاحب دیوان خادم تسلیم کا ہے اسکے اطراف

وجوانب کے شعرا کی آمد ہوئی۔ صبح سے بارہ بجے شب تک شعر و سخن کا چرچا رہتا تھا مختلف اساتذہ کے شاگردوں کے علاوہ استاد تسلیم کے تلامذہ کی بھی کثرت رہی اور یہ چند دن جو رامپور میں گذرے بڑے مزے میں گذرے۔ بلبل تسلیم کے علاوہ ہمارے دلی دوست جناب قاضی تدبر حسین فانی وکیل ریاست۔ جناب شمس الحق خیال تلمیذ تسلیم وکیل ریاست۔ ہمارے مخدوم مکرم جناب محمد یار خانصاحب ناظر مدظلہ العالی جنکے یہاں استاد تسلیم نے اپنی عمر کا آخری حصہ گذارا تھا۔ جناب منشی محمد اکبر نشتر شاگرد تسلیم۔ جناب منشی واحد علی صاحب آبر شاگرد امیر مینائی نائب میر منشی ریاست۔ عالیجناب میجر جنرل بہادر جناب مہر شاہ خانصاحب مہر وغیرہ نے اپنے گھر طلب فرما کر دعوتیں کیں۔ اکثر نے ٹی پارٹی دی۔ اکثر نے صحبتیں قایم کیں۔ ان سارے جلسوں میں عمائدین اور نامی شعرا تشریف فرما ہوتے رہے جنکا کلام اپنی جگہ پر درج ہوگا۔ غرض میں اہل رامپور کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا کہ ان اصحاب باکمال نے کسقدر نوازشیں اور عزت افزائیاں کیں۔ اور بقول حضرت صبر یہ غلغلہ اسقدر بلند ہوا کہ اگر نواب صاحب بہادر علیل نہوتے اور یہ خبر وہاں تک پہونچی ہوتی تو مجھے کھنؤ میں پھر جلسے قایم ہوتے۔ خیر یار زندہ صحبت باقی مجھکو بڑا افسوس یہ رہ گیا کہ میں ہوم سکریٹری بہادر نواب مصطفے علی خانصاحب تک جو میرے ویرینہ دوست ہیں بوجہ کم فرصتی کے اوس وقت نہ پہونچا جسکا قلق ہے۔ صرف چیف سکریٹری صاحب سے سلام کی نوبت آئی۔ ضمناً ایک امر اور بھی عرض کر دینا ضرور ہے۔ متعدد جلسوں کے بعد جب میرا کلام اہل نظر نے ملاحظہ کر لیا تو حضرت فانی کے یہاں ٹی پارٹی کے موقع پر صاحبزادہ تجمل حسین صاحب نے بحیثیت جانشینی کی ایک نے بلبل تسلیم صبر کی طرف اتفاق فرمایا بعض نے مجکو منتخب کیا حضرت صبر

بھی تحریک کی کہ عرشؔ ہمارے دیرینہ اوستاد بھائی ہیں یہ پگڑی عرشؔ کے سر باندھ دی جائے۔ بعض نے کہا کہ بیشک عرشؔ کا پایہ خدا نے از روز ازل بلند کیا ہے۔ بعض نے یہ فرمایا کہ لاریب یہ سب صحیح ہے مگر اونکا قیام رامپور میں نہیں ہےتا اور یہاں ایک شخص کی ضرورت ہے۔ اوسپر ہمارے دوست حضرت فانی وغیرہ نے یہ تحریک کی کہ عرشؔ کا پایہ کلام چونکہ بہت زیادہ بلند ہے جسکی عینی شہادت کو آجکل اخبار دبدبہ سکندری اور یہی شہادت کو وہ خود اس جلسہ میں موجود ہیں اونکا جانشین نہ بتایا جانا ظلم ہے اور ملک کی نگاہ میں خود ذلیل ہونا ہے اسلیئے ہم چند اصحاب کی یہ رائے ہے کہ ممالک مشرقیہ و مغربیہ کے لیئے دو جانشین تجویز کیئے جائیں اون میں سے ایک جگہ مولانا عرشؔ کو اور ایک حضرت صبرؔ کو دی جائے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کر لیا۔ اور یہ بات قرار پا گئی کہ کل یہ رسم بہ صدارت میجر جنرل بہادر جناب مہرشاہ خاں صاحب مہرؔ اونکی کوٹھی میں ادا کر دی جائے۔ کیونکہ یہ ایک جلیل القدر رئیس اور قدر دان تسلیم ہیں۔

اسیر میں نے اپنی یہ ناچیز رائے پیش کی۔ کہ اول تو میں بغرض تعزیت اوستاد آیا ہوں نہ بخیال جانشینی جسکا میں ازل سے بوجوہ ذیل مخالف ہوں۔

نمبر ۱۔ کوئی شاگرد کسی اوستاد کا جانشین نہیں ہو سکتا۔ امیرؔ و داغؔ و جلالؔ کی جانشینی جو کی گئی ہے ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ اور غرض جانشینی کی یہ ہے کہ جمہور کے ساتھ دیگر تلامذہ اوستاد بھی اوس سے اسی طرح اتفاق فرمائیں کہ اگر اونکو کسی معاملہ میں شبہ ہو تو جانشین سے دریافت کریں اور اوسکی فتوے اور اصلاح کو عین شہادت اوستاد جانیں۔

نمبر ۲۔ دیکھنا چاہیئے کہ جانشینان امیرؔ و داغؔ و جلالؔ کو ملک نے یا کم سے کم

اونکے اوستاد بھائیوں نے بھی جانشین تسلیم کرلیا یا آپس ہیں اور ایک نفاق کی صورت پیدا ہو کر رہ گئی۔

نمبر ۳۔ آیا اوستاد تسلیم کی آبروجو لکھنؤ ملک میں ہوئی وہ کسی عطیہ خطاب جناب نسیم کی بدولت یا رسم دستاربندی و جانشینی کے لحاظ سے ہی میرے خیال میں اونکے مشق سخن اور اونکے کلام نے اونکو ممتاز کیا تھا اور یہانتک کہ شاگرد اول نسیم جناب اشرف کو جنکے مداح خود جناب مرحوم تھے جو شعر بھیجے ہوا کرتے تھے جناب تسلیم سے پوچھتے تھے یہاں تک کہ مرحوم اشرف علی صاحب کے دواوین بعض بوایں سبب نہ چھپنے کہ از راہ خلوص برادرانہ اونکا اصرار رہا کہ تسلیم تو انکو ایک نظر دیکھ لیں مگر اوستاد کو اول تو یہ گوارانہ ہوا دوسرے خود مشق سخن سے فرصت نہ تھی۔

نمبر ۴۔ اگر خواہ مخواہ کسی کے سر یہ بھاری پگڑی فواتر رکھ ہی دی جائے تو ہمارے بھائی چراغ خاندان مولانا حسرت صاحب کا کیا خیال ہوگا۔ اور ملک کیا کہیگا کہ حسرت جس طرز کلام کا پایہ مومن مرحوم کے آب و رنگ سے ملتا جلتا ہوا ہے اوسکی کسی نے خبر بھی نلی۔

ان ساری دلیلوں پر بھی اہل بلا مجبور مطابق رنگ زمانہ قایل نہوئے اور چند تلامذہ تسلیم نے فرمایا کہ وہ علیگڑھی انگریزی شاعر ہے اوسکا کیا ذکر اسپر میں نے مولانا حسرت کے چند شعر پڑھے اور کہا کہ اگر کسیکا مذاق تسلیم اس رنگ تک پہونچ گیا ہو تو وہ اپنا کلام پیش کرے کہ مجکو تقابل کا موقع ملے۔ مگر کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور جناب نشتر و بلبل تسلیم شاگردان حضرت تسلیم کی تحریک سے منیجر جنرل بہادر کے یہاں آخر وہ معرکتہ الآرا صحبت قایم ہو کر رہی۔ میں نے تنگ آکر صبر صاحب سے یہ کہا کہ جب یہی تو چند اڈیٹران اخبار کی شرکت کرائیے تاکہ وہ امر حق کو اپنے اڈیٹوریل کالم میں جگہ دیں واقعہ اصلی ملک میں روشن ہو۔ اس سے بارے انہوں نے

اتفاق کیا مگر میں نے اپنی ذاتی محبت سے ایڈیٹر صاحب دبدبۂ اسکندری
اور حضرت امانت لکھنوی - اور علامۂ عصر مولانا ہدایت رسول صاحب
مدظلہ کو جنکی عالم میں دہوم ہے اسمیں شریک کرلیا - نہایت افسوس
ہوا کہ ہمارے جدید دوست حضرت تپش ایڈیٹر صاحب نیرنگ مجکو نہ ملے ورنہ
انکو بھی کھینچتا - اب سنیے کہ یہ صحبت بڑی دہوم دہام کی ہوئی - اسکی صدارت
مینیجر جنرل بہادر نے کی - اس میں حضرت آبر تلمیذ رشید امیر مینائی مرحوم
حضرت فانی - حضرت ضمیر - حضرت نشتر - جناب محمود شاگرد داغ -
جناب جادو یادگار جلال - جناب برہم یادگار منیر مرحوم شاعر دربار
رامپور - اور بہتیرے عمائدین اور شعراء تشریف رکھتے تھے - مینیجر جنرل صاحب
بہادر نے نہایت گرم جوشی سے خاکسار کو اپنے بغل میں جگہ دی اور
میرے بغل میں اوستاد تسلیم کا بلبل - بلبل تسلیم نغمہ زن تھا - صاحبزادہ
تجمل حسین صاحب بھی جلوہ فرما تھے - غرض کس کس کو لکھوں - مینیجر
جنرل صاحب خود ماہر فن اور شاعر کہنہ مشق ہیں مہر تخلص ہے - ان
سارے شعراء کے کلام بلاغت نظام کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے - مگر
اس میں نتیجہ معنی خیز یہ تہا تو یہ کہ بجز حضرت نشتر محرک جانشینی کے
اور کوئی شاگرد جناب تسلیم نہ تہا ہر چند کہ بڑے زور شور سے اسکا
خاص اعلان کیا گیا تہا کہ آج جو کوئی جہاں کہیں چھپا ہو سامنے
آئے - مگر کسی کا پتہ نہیں ہو - آخر بعد اختتام صحبت کوئی ذکر جانشینی کا
نہ آیا - اور دیکہا کہ ضمیر صاحب اور نشتر صاحب وغیرہ میں کچھ سرگوشیاں
ہو رہی ہیں تب میں نے پوچھا تو کہا گیا کہ آپ کی دلیل قوی سے سب نے
اتفاق کیا مینیجر صاحب بہادر نے بھی کہا کہ عرش کی یہ رائے ٹہیک ہے کہ ضرورت

سلہ تیری آنکھوں میں جب سرمہ لگایا جائے گا * ہم تمہیں سے پوچھتے ہیں تم سے دیکھا جائیگا
فافہم

اعلان جانشینی نہیں ہے جسکا جو مرتبہ ہے وہ ظاہر ہوگیا۔ اب یہ بحث بیکار ہے اسپر میں نے اپنے ملبل تسلیم کو مبارکباد دی اور کہا کہ شکر خدا کہ ہمارے خاندان سے یہ پرآشوب بحث دور ہوگئی۔ اب ملک خود فیصلہ کردیگا۔ اسپر ملیح جنرل صاحب نے حضرت صبر سے پوچھا کہ کیا قصد ہے صبر صاحب نے تشریح کی اور کہا کہ ہمارے بڑے بھائی مولانا عرشی اس موقع پر آگئے ہیں ہملوگوں کی یہ رائے ہے کہ اوستاد کی پگڑی آپ کے سر باندہ دی جائے۔ جنرل صاحب نے فرمایا کہ واقعی یہ اس لائق ہیں۔ مگر چونکہ اس بحث کو میں ختم کرچکا تھا اور اندرونی طور پر اسکے محرک حضرات نے خدا جانے کیا سمجھکر یہ فیصلہ کرلیا تہا کہ خاموشی مناسب ہے اسلیئے یہ مسئلہ ناتمام سا رہ گیا میرے چلے آنے کے بعد کیا ہوا خبر نہیں ہے۔

اب میں اس گلشن سخن کے منتخب پہولوں کا گلدستہ سجا کر ملک کے آگے پیش کرتا ہوں جنکو دوران صحبت میں میں نے بصورت گلچیں باغ سخن سے چن چن کر اپنے دامن میں رکھ لیا تھا۔

حاجی اسمٰعیل خانصاحب صبر۔ المخاطب بہ ملبل تسلیم۔ جوان طباع عمر تقریباً پینتیس سال کی ہوگی ضروریات فن سے واقف۔ جمیع اقسام نظم میں دخل رکھتے ہیں۔ زمانہ آخر میں اوستاد مرحوم کی بہت خدمت کی اور بقول اونکے بھتیجے مولانا ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی مرحوم یادگار ذوق اوستاد تسلیم سے خطاب ملبل تسلیم پایا۔ سعادت آپکا حصہ ہے۔ یہ دو تین شعر آپکے مجھے بہت پسند آئے ہے۔

صبر

شمع ہی سیطرح عمر بسر کرتی ہے ✿ رات بھر جلتی ہے رو رو کے سحر کرتی ہے

ولہ

دھجیاں تیری اوڑا دونگا میں اے دست جنوں ✿ آج ہی چاک اگر دامن صحرا نہوا

اس باغ جہاں میں صفت برگ حنا ہوں ✿ لایا ہوں لہو رنگ جہاں میں پیسا ہوا

محمد اکبر نشتر تلمیذ حضرت تسلیم ۔ جوان شوخ طبع ۔ عمر تقریباً تیس
سال ۔ کہنا اور پڑھنا دونوں بہت خوب ہے ۔ اکثر شرفیاب خدمت رہا کرتے
تھے ۔ اوستاد سے انکی بڑی بے تکلفی اور محبت تھی ایک مرتبہ اوستاد
سے کہا کہ حضرت آپ کو دم آخر لکھنؤ نہ جانے دینگے یہیں دفن کرینگے
اوستاد نے فرمایا ۔ ضرور ضرور ایسا ہی ہو میری تو دلی آرزو ہے کہ میری
قبر یہیں ہو اور وہاں میرا سالانہ عرس ہوا کرے اوس کے ضمن میں مشاعرہ
بھی ہو اور چھوٹے چھوٹے بچے ہمارے مزار کے گرد پھرتے ہوئے اشعار
پڑھا کریں ۔ انکے یہ شعر مجھکو بہت مرغوب ہوئے خدا سلامت رکھے
یہ غزل کی غزل مرصع ہے مضطر کے جواب میں کہی ہے ۔ یہ وہ مضطر
خیرآبادی ہیں جو اب اپنے اوستاد امیر مینائی سے پھر گئے ہیں ۔ مضطر کا
یہ مطلع بھی مجھے نہیں بھولتا ۔

مضطر

لڑائی ہی تو اچھا رات بھر یونہیں بسر کرلو ✢ ہم اپنا منہ ادھر کرلیں تم اپنا منہ ادھر کرلو

نشتر

بلبل ہزار چیخے سر اپنا پھوڑ ڈالے ✢ گلچیں نے پھول انکو چن چن کے توڑ ڈالے
محشر میں دیکھ لینا دوزخ کو پانی پانی ✢ تر دامنوں نے دامن جسدم نچوڑ ڈالے
کیا کیا بنے ہیں گوہر کیا کیا بگڑ گئے ہیں ✢ گیسو نہائے اوسنے جسدم نچوڑ ڈالے
کچھ انقلاب ایسا عہد شباب لایا ✢ بچپن کے عہد اوسنے گن گن کے توڑ ڈالے
مٹی کے پتلے اوسنے روز ازل سے اب تک ✢ کیا کیا نہیں بنائے کیا کیا نہ توڑ ڈالے
پھل نخل عاشقی کا پایا ہی کسنے نشتر ✢ سر سینکڑوں نے دیدیے پر اوس کے توڑ ڈالے

مولوی عتیق الرحمن کلیم ۔ شاگرد تسلیم ۔ جوان متین و سنجیدہ ہیں عمر
پچیس ۲۵ سال ہے استعداد علمی نہایت معقول عربی و فارسی میں کامل
اوستاد تسلیم کے جدید تلامذہ میں استعداد ممتاز کر اوستاد نے اپنے غیر مطبوعہ

چوتھے دیوان کی متعلق غزلیں انکو یکجا اور صاف کرنے کے لیئے دی تہیں اور اونہیں کے پاس ہنوز موجود ہیں۔ بہت خوب فرماتے ہیں ایک مطلع اور ایک شعر انکا یادرہ گیا ہی۔

کلام

بس مردن بھی اسد رجہ خیال یار باقی ہی ٭ کھلی ہیں اپنی آنکھیں حسرت دیدار باقی ہی
ہماری نیستی ہستی ہمارے ساتھ ہی ہر دم ٭ حباب بحر کیصورت فنا بھی ہی بقا بھی ہی

منشی گنگا پرشاد رشید ا۔ عمر بائیس سال طبیعت بہت رواں۔ پڑھنے کا ڈھنگ بہت اچھا۔ اوستاد تسلیم کے اون تلامذہ میں ہیں جہاں اکثر شام کو آپ جا کر بیٹھا کرتے تھے علم مطابق ضرورت۔ یہ کلام ہی۔

گروہ بحر حسن بال اپنے نچوڑے وقت غسل ٭ قطرہ قطرہ عکس جسم صاف سے گوہر بنے
وہ خراباتی ہوں ساقی کیا تعجب بعد مرگ ٭ میری مٹی سے خم بادہ بنے ساغر بنے
نازکی سے بار ہی باد صبا بھی دوش پر ٭ باغباں حیران ہی کس پھول کا زیور بنے

محمد علی خاں نکہت شاگرد تسلیم۔ نوجوان کم سخن و مہذب۔ عمر بائیس سال نہایت متین کہتے ہیں۔ یہ کلام ہے۔ مشق انکی جاری ہنیں فصلی شاعر مشاعرہ کے کہنے والے ہیں۔

نکہت

مکان یار کی وہ منزلیں آہ کیسی ہیں ٭ جو کیسو نیچے قبر تک پہر بھی رہ گئی ہی منزل میں
خیال زلف میں مشکل ہوئی فریاد بھی مجکو ٭ کہ پائے نالۂ دل سخت الجھا ہی سلاسل میں
نہیں گور و کفن تک بھی میسر وائے بربادی ٭ پڑے ہیں خاک پر لاشے ہزاروں کوئی قاتل میں

مولوی شمس الحق صاحب خیال وکیل ریاست رامپور شاگرد تسلیم۔ عمر شریف آپ کی پینتیس ۳۵ سال کی ہوگی۔ دیرینہ تلامذہ میں ہیں مشق بہت اچھی ہے۔ گلدستہ منتخب شہر کلاوٹھی کے ایڈیٹر تھے میرے دیرینہ واقف کار نکلے۔ صاحب خلق و کرم ہیں۔ استعداد بہت ہی زبردست رکھتے ہیں یہ کلام ہے

جب رخ سے ترے نقاب سر کی ٭ آنکھیں روشن ہوئیں نظر کی
وہ قسمیں تری بشان شبنم ٭ رو رو کے تمام شب بسر کی

کیوں شمع کو تم جلا رہے ہو ٭ مہماں ہے غریب رات بھر کی
دم بھر سے ہو میری دوستی کا ٭ یہ آج ہوا چلی کدھر کی

حضرت فانی کے یہاں چوٹی پارٹی کی صحبت ہوئی تھی اور یہی بیت غزل
حضرت خیال نے پڑھی تھی شمع والا شعر عین اوسی وقت پڑھا تھا جب شمع
محفل ہوا کے جھونکے سے بجھ گئی تھی اور جلانے کی کوشش کیجاتی تھی۔ ان
اصحاب کے سننے کے بعد مجھکو یہ فتوے دینا پڑا کہ ؎

شیدا و کلیم و صبر و شنثر ٭ تسلیم کے ہیں یہ چار خنجر

اسیر لوگ بھڑک اُٹھے۔ تلامذہ تسلیم کا جو ذکر حیات اوستاد میں کیا گیا
وہ ذاتی مشاہدہ کی نظر سے نہ تھا بلکہ دور دور کی تحقیقات اسکا ذریعہ تھی
یعنی حبیب صاحب حبیب شاگرد تسلیم یعنی قدرت علی خاں فائق
شاگرد تسلیم یہ لوگ فصلی شعرا ہیں جنکو شعر کا یاد نہیں رہا۔ علاوہ اسکے نثار و
شاگرد و طبقے کے رامپور میں موجود ہیں مگر وہی عنایتی غزلوں کے پڑھنے والے
جناب صادق دہلوی یادگار شہزادہ جناب مرحوم دہلوی بھی ملے تھے۔ جناب
تسلیم پر بیجا حملوں کی معافی چاہی تھی۔ اب میں اپنے اون احباب کا
کلام پیش کرتا ہوں جنسے ناظرین کو غایت فرحت ہوگی۔ یہ حضرات پہلی ان
صحبتوں میں برابر رہا کرتے تھے کمال افسوس ہے کہ طالب و محمود یادگار داغ
کا کلام یاد نہ رہا۔ محمود خاں صاحب محمود کا پڑھنا تو ایسا تھا کہ جناب داغ مرحوم
کے پڑھنے کا دھوکا ہوتا تھا۔ خدا مغفرت کرے داغ کا ایک تذکرہ یاد
آگیا

ایک صاحب فرماتے تھے کہ نواب کلب علی خاں صاحب کا عہد تھا۔ مجھ
تلق۔ اسیر۔ امیر۔ منیر وغیرہ موجود تھے جب داغ صاحب کے پڑھنے کی
نوبت آئی تو مشاعرہ کو گویا آگ لگا اور سب شاعروں میں ہراس تھی یہ مشتعل غزل پڑھ
چکے تھے۔ مگر وہ عام فہم ہریاں کہاں تھے داد و بیداد نہ ملی۔ داغ کی واہ واہ

مرحوم منیر پر گراں گذری مشاعرہ سے باہر آکر داغ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کیوں میاں داغ کیا تمہاری غزل مجھسے بھی زیادہ پرزور تھی داغ نے کہا ہرگز نہیں میری کیا طاقت کہ آپ کے سامنے زبان کھولوں مگر حضرت قبول خاطر و حسن سخن خدا داد است" درمیان میں چند صاحب یہ گفتگو کرتے نظر آئے کہ بھائی غزلیں تو سب نے پڑھیں مگر جب زاغ بیابانی نے اپنا منہ نکالا تو پھر سارے عندلیب اپنا نغمہ بھول گئے داغ کو وہ داد ملی کہ اللہ اللہ خود نواب صاحب بہادر لوٹ لوٹ گئے۔ داغ کے منشی اسمٰعیل حسین منیر یادگار ناسخ سے کہا حضرت اب اس مقبولیت کو کیا کہیئے۔ منیر مرحوم چپ ہو گئے۔

کلام فانی۔ جناب مولانا نذر حسین صاحب وکیل دربار رامپور۔ عمر شریف تقریباً پچاس سال۔ کسی کے شاگرد نہیں ہیں صرف اوستاد تسلیم کے معتقد تھے۔ سارے اساتذہ سلف کے رنگ کے دلدادہ ہیں علم فاضلانہ رکھتے ہیں پڑھتے بھی بہت خوب ہیں۔ دو دیوان اُردو اور ایک فارسی کے مصنف ہیں غزل بھی خوب کہتے ہیں عوام رامپور صرف انکو غزل گو جانتے ہیں مگر یہ پرانا البتہ اوسوقت کہلا جسوقت میری آپ کی ملاقات ہوئی خدا انکی عمر میں برکت دے صادق الوداد دوست ہیں۔ یہ کلام ہے

بتاؤ تو یہ بت کیونکر مرا طرز فغاں سمجھے ؛ نہیں انکی زباں سمجھوں نہ میری زباں سمجھے
سینے میں درد پاکر دل کا چراغ آیا ؛ فوراً چراغ لیکر بیچارہ داغ آیا
وہ تو پوچھے بات۔ جسپر آسکے دل ؛ اس ستم پر کیوں نہ بیٹھا جائے دل
صبح کو جس غضب کا ناز کرتی تھی صبا ؛ شام کو ابتر پڑا ہے سب ہی سامانِ گل

حضرت فانی نے کیا شعر کہا ہے واللہ لوٹ لیا

عنوان غزل گوئی

لکھنؤ کو شاعری جاتی تھی دلّی لے گئی ؛ چوہا دوڑا کان کو رستہ میں بلّی مل گئی
ہے اکھاڑہ حسن کا ہندوستان اب کہیے ؛ لکھنؤ کی بیٹی ہیں یا کہ دلی والیاں

یہ دونوں شعر مرحوم امیر مینائی کے مطلع کے جواب میں ہیں ؎

دعوئے زبان کا لکھنؤ والوں کے سامنے ؛ اظہار بو ہے مشک غزالوں کے سامنے

کلام ابر۔ جناب منشی واحد علی صاحب ابر نایب میر منشی ریاست شاگرد رشید امیر مینائی۔ عمر شریف تقریباً پچپن سال۔ جمیع اقسام نظم و علوم و فنون میں لایق و فایق و کامل ہیں۔ خوش خلق۔ آپکا حصہ ہے ہر رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ مذاق حال آپ کا اسقدر درست ہے کہ سبحان اللہ رامپور میں آپ کے کلام کے سمجھنے والے محض چند لوگ ہونگے۔ یہ دو مطلع یاد ہیں۔

دم دیا ہے موت کو آرام پانیکے لیے ؛ ہمنے آنکھیں بند کی ہیں نیند آنیکے لیے

لطف کنار مادری کچھ جو ملا فشار میں ؛ آتے ہی پڑ کے سو گئے چین سے ہم مزار میں

کاظم۔ تلمیذ حضرت محسن کاکوروی۔ یہ بزرگ نعت گو ہیں عمر ساٹھ سال کی ہوگی۔ ایک شعر آپکا یاد ہے۔

مخلوق تک رہی ہے شفیع الامم کا منہ ؛ دیکھیں حضور داور محشر سے کیا کہیں

سبحان اللہ سبحان اللہ یہ نعت شریف ہے۔

بزم۔ یادگار منیر مرحوم شاعر دربار رامپور۔ عمر تقریباً اٹھائیس سال۔ بہت خوب فرماتے ہیں اور بے تعصب اور بے تکلف شاعر ہیں۔ رنگ منیر سے آپکا کلام الگ ہے۔

بزم

ہم اپنی جان سی شے دیکے یہ احسان لیتے ہیں ؛ بکیں تو ہیر کے بکتے ہوئے ارمان لیتے ہیں

مجکو بڑا صدمہ ہے کہ اس سفر میں ہمارے ساتھ چند ہمنشیں اور معتقد نہ تھے مثلاً جناب محمد حسن خانصاحب برق فرنگی محلی لکھنوی۔ جناب منشی حافظ ولایت اللہ ابر شاہجہانپوری۔ جناب منشی مظہر حسین خورشید ربنگوی۔ اگر یہ لوگ ہوتے تو ان جلسوں کے مزے اٹھاتے۔ دعا ہے کہ خدا انکی عمر میں ترقی عطا فرمائے۔ اور کسی آیندہ سفر کی بہار دیکھنا نصیب ہو۔ اب ہم اس صحبت کو مرثیہ و تواریخ

اوستاد مرحوم پر تمام کرتا ہوں ۔ جو سر دست تیار ہیں اور دوران سفر میں کہی گئی ہیں تلمیذی جناب ابر سلمہ اللہ تعالے شاہجہانپوری نے بھی اوستاد مرحوم کی تاریخ مرگ بہت خوب کہی ہے

چل بسے تسلیم شاگرد نسیم ؎ رونق باغ سخن باقی نماند
از سر افسوس فضلی سال آن ؎ قدح بشکست وآن ساقی نماند

ماتم تسلیم

آہ اے بلبل گلزار سخن تیرے بغیر ؎ نوحہ خواں آج ہی ہر مرغ گلستاں ہی ہی
نہ دوں شبنم کو کس سنبل کی پریشانی کو ؎ گل بھی آئے ہیں نظر چاک گریباں ہی ہی
کیوں نہ دوں موت کو تیری میں غم آسی نسبت ؎ خاک اوڑاتی ہی صبا باغ ہے ویراں ہی ہی
لو دوبارہ ہوئی پھر موت نسیم و مومن ؎ روئیں اس غم میں نہ کیوں سارے سخنداں ہی ہی
اک تیری ذات سے روشن تھی یہ اک بزم سخن ؎ رہ گئی بجھکے تو اے شمع شبستاں ہی ہی
لکھنو ایکطرف تجھسے تہا دلی کو فخر ؎ کیوں نہ یہ غم ہو ہر اک کے لیے یکساں ہی ہی
آپ اے حضرت تسلیم ذرا چلتے وقت ؎ تہوڑے خادم دیرینہ کے پرساں ہی ہی
میں تہا از روز ازل عاشق و شیدائی کمال ؎ شمع ساں کیوں نہ لحد پہ ہوں میں گریاں ہی ہی
اب تو دیوان کا چہپنا ہی میرے خواب و خیال ؎ اک دل خستہ تہا ۔ وہ بھی پریشاں ہی ہی
میرے آنے کی خبر سنکے کہاں چہپ گئے آپ ؎ سر بسر خاک بسر اور ہوں حیراں ہی ہی
شب ہے تاریک سفر طول ہی منزل دشوار ؎ کسطرف تو ہی چراغ ہوتا باں ہے ہی ہی
رامپور ۔ آج بلا کر یہ غضب داغ دیا ؎ جز ترے کون یہاں میرا تہا پرساں ہی ہی
کس ضرورت کو یہاں آیا ۔ ہوا کیا درپیش ؎ کیوں نہ اے اہل وطن عرش ہو نالاں ہی ہی
تہا جو منظور اجل کو کہ جدائی ہوتی ؎ اُہ وقت تو دیکھ کے کمبخت یہ آئی ہوتی

ولہ تواریخ انتقال حضرت تسلیم جنت مقیم

ہوا انتقال آج تسلیم کا ؎ زمانہ میں تہی مغتنم اونکی ذات
ہر اک علم میں خوشنویسی یکی تہی ؎ تہے اوستاد فن اور عالی صفات

وظائف سے ہر وقت تھی لو زباں ۔ نصیحت سے خالی نہ تھی کوئی بات
گئے آنکھیں میندنے جو لکھنو ۔ یہی بات تھی ایک وجہ ممات
ہوئے عمر کے اکیسو تین سال ۔ زمانہ نظر میں ہوا بے ثبات
عضب بست و ہشتم مئی کی تھی شام ۔ بنی گور کی اونکی وہ پچھلی رات
سن عیسوی میں کہا عرش نے ۔ چراغ بہشت ہے اونکا سال وفات

ولہ دیگر

انتقال حضرت تسلیم سے ۔ آہ لطف شاعری جاتا رہا
مصرع منقوط لکھدو عرش تم ۔ لو چراغ بزم شعر اب بجھ گیا

ولہ در صنعت تعمیہ ۔ از نتائج خاکسار عرش

اٹھ گئے علامہ تسلیم آج ۔ انکو جنت میں جگہ دے ایخدا
متقی و شاعر و صاحب ہنر ۔ پاک باطن ۔ نیک خصلت پارسا
اونکو رونیکے لیے میری طرح ۔ ابر غم ہے ہر طرف چھایا ہوا
سال رحلت کی نکر تشویش و فکر ۔ کچھ نہیں ہے اسمیں موقع غور کا
از سر بزم سخن اے عرش کہہ ۔ ہائے لطف شاعری جاتا رہا

قطعہ تاریخ وفات یادگار تسلیم مرحوم حضرت تسلیم لکھنوی نور اللہ مرقدہ

نتیجہ فکر حضرت صفدر مرزا پوری

(ما خوذ از زار دوئے معلی علیگڈھ)

تسلیم کے فراق کا صدمہ ہے کسے نہیں ۔ تربت پہ آکے کون نہیں نوحہ گر ہوا
چادر چڑھائی پھولوں کی رو کر نسیم نے ۔ حسرت کے ساتھ ابر سیہ چشم تر ہوا
بیچین ہو گئے بلبل تسلیم صبر کی ۔ بیٹھا جو دل کو تھام کے ٹکڑے جگر ہوا
اردو ہے شکوہ سنج کہ میں آج لٹ گئی ۔ کہتی ہے شاعری میرا ویران گھر ہوا
تاریخ انتقال کی صفدر نے یہ لکھی
ہے ہے زباں کا خاتمہ تسلیم پہ ہوا

تقریظ جناب مولوی محمد احسن اللہ خاں صاحب ثاقب مدیر قند پارسی علی گڑھ

سوانح حضرت تسلیم مرحوم کا مجموعہ میرے دوست جناب سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی نے مجھے دکھایا جناب عرش گیاوی جو حضرت تسلیم کے شاگرد ہیں اس کتاب کے مؤلف ہیں میں نے سرسری نظر سے اس نسخے کو جا بجا سے دیکھا کتاب دلچسپ ہے اور کہیں کہیں لٹریچر کے لطف سے بھی خالی نہیں ہے۔

ملک کو ضرورت ہے کہ اساتذہ اردو کے مکمل سوانح مرتب ہوں اور اس لحاظ سے جناب عرش کی یہ کوشش کہ انہوں نے ایک استاد کے حالات جمع فرمائے قابل تحسین ہے

اس کتاب میں بعض خاص تلامذہ حضرت تسلیم کا کلام بھی جناب عرش نے تحریر کیا ہے اور اوس مقام پر جناب حسرت موہانی کے اشعار لکھے ہیں چونکہ تعداد میں کم ہیں اسلئے چند شعر جو موصوف کے مجھے پسند آئے ہیں وہ درج کرتا ہوں۔

مٹ رہی ہیں دل سے یادیں روزگار عیش کی ۔ اب نظر کاہے کو آئیں گی یہ تصویریں کہیں

حسن بے پروا کو مغرور و خود آرا کر دیا ۔ کیا کیا میں نے کہ اظہار تمنا کر دیا

پڑ گئیں ہم سے تو بلکہ اور بھی بیتابیاں ۔ ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کر دیا

عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں کے مرتبے ۔ مہر ذروں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا

رنگ سوتے میں چمکتا ہے طرحداری کا ۔ طرفہ عالم ہے ترے حسن کی بیداری کا

ہو چکی اب ہم گرفتاران غربت کو نصیب ۔ آہ وہ خوشبو کہ تھی پروردۂ گیسوئے دوست

دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد ۔ ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

پیرہن اس نے جو پھولوں میں بسا رکھا ہے ۔ شوق کو اور بھی دیوانہ بنا رکھا ہے

برسات کے آتے ہی توبہ نہ رہی باقی ۔ بادل جو نظر آئے بدلی مری نیت بھی

گر جوش آرزو کی ہیں کیفیتیں یہی ۔ میں بھول جاؤں گا کہ مرا مدعا ہے کیا

اے قصر امارت کی ویرانی و بربادی ۔ کس گوشۂ عبرت میں سوتا ہے مکیں تیرا

اس درجہ دلپذیر ہے آہنگ نغمہ کیوں ۔ پنہاں لباس درد میں تیری صدا ہے کیا

ظلم عصیاں سے مٹا حسرت نہ داغ عشق یار ۔ اور یہ کیا تھا اگر اوس کی خطا پوشی نہ تھی

رسالہ اُردوئے معلیٰ علیگڈھ

کاغذ ولایتی سفید لکھائی چھپائی پسندیدہ حجم ۴۸ صفحے ماہوار قیمت سالانہ
مع محصول صرف عہ نمونے کے تین متفرق پرچوں کا مجموعہ ۴؎
مع محصول ڈاک خرچ ویلو میں روانہ کیا جاتا ہے۔ تقاضے
اڈیٹر اور پبلشر درخواست خریداری بنام سید فضل الحسن حسرت
موہانی بی۔اے ایڈیٹر اردوی معلیٰ علی گڑھ۔
(نوٹ) اُردوئے معلیٰ کے ساتھ بطور ضمیمہ ہر ماہ اساتذہ قدیم
وجدید کے دواوین سے ایک کا انتخاب شائع ہوتا ہے رسالہ
کی قیمت مع دواوین ۴؏ سالانہ مع محصول ہے
(نوٹ) دس یا بیس روپیہ یکمشت دیکر ہر شخص اُردوی معلیٰ یا
اردوی معلیٰ مع ضمیمہ کا دوامی خریدار بن سکتا ہے۔

قیمت ہر جلد مع محصول ڈاک ۴؎ مجموعہ خرچ ویلو صرف ار

مثنوی سراپا سوز قاضی محمد صادق خاں اختر و مثنوی اسرار
محبت نواب محبت خاں محبت و طلعیۃ الشمس سید آغا
علی شمس لکھنوی مع مختصر حالات اختر و محبت و شمس
مرتبہ حسرت موہانی بی۔اے ایڈیٹر اردوے معلیٰ علی گڑھ

اُردوئے معلیٰ جلد دہم و یازدہم

یعنی اکتوبر ۹ء سے دسمبر ۱۰ء تک کے پندرہ پرچوں کا
نہایت دلچسپ قابل دید مجموعہ۔ صرف چند جلدیں باقی
ہیں جلد طلب کیجیے ورنہ پھر انکا ملنا مشکل ہوگا۔ ۴؏

المشتہر
منیجر رسالہ اُردوئے معلیٰ علی گڑھ سٹی

[illegible]

دیوان غالب
مع شرح
از سید فضل الحسن حسرت موہانی بی۔اے
ایڈیٹر اُردوئے معلیٰ علی گڑھ

جسکی خوبی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تھوڑے سے ہی
دنوں میں اسکے دو ایڈیشن چھپکر فروخت ہو گئے اور اب یہ
تیسرا ایڈیشن عمدہ سفید کاغذ پر خوشخط و صحیح چھپکر آخر ماہ جولائی
تک تیار ہو جائیگا درخواست خریداری بہت جلد
منیجر اردوئے معلیٰ کو آجانی چاہیئے فہرست مضامین (۱) دیباچہ (۲)
مقدمہ (الف) غالب کے حالات (ب) غالب کی شاعری (۳)
دیوان مع شرح (۴) ضمیمہ یعنی وہ غزلیں اور اشعار جو
اب تک مطبوعہ دیوان غالب میں موجود نہ تھے۔
(نوٹ) آخر ماہ اگست تک درخواست کرنے والوں سے
محصولڈاک اور خرچ ویلو نہیں لیا جاویگا۔

انتخاب اُردوئے معلیٰ

یعنی اُردوئے معلیٰ کی گزشتہ پانچ سال کی دس
جلدوں کے بہترین مضامین نظم و نثر کا انتخاب جسکی نسبت
دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا دلچسپ
مجموعہ کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا قیمت ۱۲؎

دیوان مصحفی مرتبہ حسرت موہانی	۸	مع محصولڈاک
دیوان قائم چاندپوری مرتبہ حسرت موہانی	۴	،، ،، ،،
دیوان میر سوز مع مقدمہ حسرت موہانی	۳	،، ،، ،،
دیوان حسرت اسنا دجہات	۴؎	،، ،، ،،
دیوان شیفتہ دہلوی	۸	،، ،، ،،
دیوان میر حسن صاحب مثنوی	۸	،، ،،

المشتہر
منیجر رسالہ اُردوئے معلیٰ علی گڑھ سٹی